زبان مین لکھا گیا ہے،

دربارِ رسالت از مولوی فضل اللہ خان صاحب شاہجہانپوری، ناظم مدرسہ ہاشمیہ بمبئی حجم ۱۲۶ صفحے تقطیع چھوٹی،

کاغذ اچھا اور لکھائی چھپائی بچون کے مناسب قیمت ۸ر مولف سے مدرسہ ہاشمیہ بمبئی نمبر ۹ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

اس رسالہ مین آنحضرت صلعم کے سوانحِ مبارک عام فہم اور سلیس انداز مین اسلامی مدارس کے طلبہ کیلئے لکھے گئے

ہین، رسالہ کی ترتیب اچھی ہے، اولاً اسلام سے پہلے عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت وغیرہ بیان کی گئی ہے، پھر آنحضرت

صلعم کی پیدایش سے وفات تک کے حالات ہین، اس کے بعد ایک باب مین اخلاقِ نبوی کا تذکرہ ہے، اور پھر اسلامی تعلیمات

اور اسکی حقیقت و حکمت بیان کی گئی ہے، اور سب کے آخر مین "آنحضرت صلعم اغیار کی نگاہون مین" کے عنوان سے مختلف غیر مسلم

اکابر کی رائین آپ کے متعلق درج کی گئی ہین، کتاب مدارس مین پڑھانے کے لائق ہے،

شروط الائمۃ الستۃ (عربی) تصنیف حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی حجم ۲۳ صفحے مجلس اشاعۃ العلوم

شبلی گنج حیدرآباد دکن،

زیرِ نظر رسالہ مین حافظ مقدسی نے ائمہ ستہ یعنی امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ

کے وہ شرائط بیان کئے ہین، جن کے ماتحت اون کی کتابون مین حدیثین اخذ کی گئی ہین، اور اسی سلسلہ مین اون

مختلف ائمہ کے مختلف شرائط کے باہمی فرق کو بھی دکھایا ہے، یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے لیکن علمِ حدیث کے طلبہ و اساتذہ

کیلئے اس کا مطالعہ مفید اور مناسب ہوگا،

الوسیلۃ العظمیٰ (عربی) از مولوی سید غلام محمد برہان الدین قادری حجم ۱۲۶ صفحے، قیمت سہ مجلس

اشاعۃ العلوم شبلی گنج حیدرآباد دکن

رسالہ الوسیلۃ العظمیٰ مجلس میلاد مین ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنے کے اثبات مین لکھا گیا

ہے جس مین اولاً قیام کرنے کے خلاف بیان کردہ دلائل کی تردید کی گئی ہے، اور پھر اپنے نقطۂ نظر سے قیام کے

اثبات کے دلائل دئے ہین،

"ص ع"

جلد ۳۱	ماہ رجب ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۲ء عیسوی	عدد ۵

مضامین

شذرات

نہایت خوشی و مسرت کیساتھ ناظرین تک ہم یہ خبر پہنچاتے ہین کہ سیرۃ جلد چہارم کی اشاعت کے بعد سلطان العلوم اعلیحضرت ہز اگزالٹڈ ہائنس حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے دار المصنفین کی دو سو ماہوار کی مزید امداد تین برس کے لیے منظور فرمائی ہے، اس وقت جب تمام دنیا کی بڑی بڑی حکومتین اپنی اقتصادی تباہی پر ماتم کر رہی ہین، اعلیحضرت کی گورنمنٹ اپنی اولو العزمانہ شاہانہ داد و دہش مین اُسی طرح مصروف ہے، نیک نیتی نے اس کے مالیات کے سرچشمہ کو قدرت کا لازوال خزانہ بنا دیا ہے، جو دنیا کے طوفانِ حوادث سے بفضل خدا مامون و محفوظ ہے، اور انشاء اللہ رہیگا،

یارب بظلِ رحمتِ خویشش نگاہ دار
کز ابرِ دست او بہمہ نم رسیدہ است

آجکل مصر سے متعدد اہم عربی تصنیفات شائع ہو رہی ہین جن مین سے ذکر کے قابل حسب ذیل کتابین ہین، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی، یہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور اُن کے بعد کے بزرگون کے سوانح مین جنمین اُن کے روحانی اور قلبی اور صوفیانہ احوال و محاسن کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ ۱۰ جلدون مین تمام ہوگی، دوسری کتاب مشہور محدث و مفسر ابن کثیر کی تاریخ البدایۃ والنہایۃ ہے، جو انبیاء، ملوک اور اسلام کی مفصل تاریخ ہے، اس کی پہلی جلد چھپ چکی ہے، یہ ۱۴ جلدون مین ختم ہوگی، تیسری کتاب شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ہے، اس کے مصنف کا نام عبدالحئی بن العماد المتوفی ۱۰۸۹ھ ہے، یہ آٹھ جلدون مین پوری ہوگی، اس مین تمام واقعات و حوادث مصنف کے زمانہ تک سنہ وار لکھے گئے ہین، یہ تینون کتابین

شرف الدین المکتبی واولادہ، بجنڈی بازار بمبئی سے جیسے جیسے چھپتی جائنگی، ملتی رہینگی، ان کتابون کی پیشگی خریداری کی حسب ذیل قیمتین ہین، پہلی کے لیے بیس روپیے، دوسری کے لیے چالیس اور تیسری کے لیے ستائیس،

لکھنؤ کی سرزمین مین جہان ہندو مسلم اتحاد کے ہر معاہدہ پر دستخط ہوئے ہین، گذشتہ مہینہ ایک اور معاہدہ کی بنیاد رکھی گئی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے چند سالون سے مسلمانون کے سیاسی فرقون مین جو افسوسناک اختلاف و افتراق پیدا ہو گیا تھا، اس کا بحمد اللہ کہ خاتمہ ہو گیا، مسلم کانفرنس کے چودہ نکات مین سے تیرہ پر مسلمانون کے تمام سیاسی فرقے متحد ہو گئے، اور صرف مخلوط مشروط طریقۂ انتخاب کی تعیین کا کام رہ گیا، اور طے پایا کہ جب ہندو ہموطن ان تیرہ دفعات کو تسلیم کر لین، اس چودھوین دفعہ پر باہم گفتگو کیجا سکتی ہے، ہمارے نزدیک تحفظِ حقوق کی اصلی دفعہ وہ ہے، جس کو **جمعیۃ العلماء** نے پیش کیا ہے، جداگانہ انتخاب حقیقت مین اصل مقصد نہین، بلکہ ذریعہ ہے، اگر تحفظِ حقوق کی منزل تک ہم کسی اور راستہ سے بھی پہنچ سکتے ہین، تو اس پر اڑنا بیجا ہے،

قنوج مین قنوج اور سرائے میران سے متصل موضع اجگیر کے بجانب غرب و جنوب ایک ویران موضع رکابیا ہے، جس کے جنوبی حصہ مین ایک ٹیلہ پر ایک سنگِ مزار نمودار ہوا ہے، جس کے اوپر بخط فارسی "لا الہ محمد رسول اللہ" لکھا ہے، اور اس کے نیچے دونون طرف کے گوشون مین اور بیچ مین "اللہ" لکھا ہے، اور اس کے نیچے بخطِ نستعلیق "ذیقعدہ روز اول ہفتہ، مورخانہ ۹۹ھ" مرقوم ہے، اس سنہ کو وہان کے کچھ مسلمانون نے ۹۹ھ پڑھکر یہ چاہا کہ اس کو آخر قرنِ اول کے کسی بزرگ کی قبر بنائین، ادھر اسد الغابہ مین قنوج مین سرباتک نام ایک بزرگ کا ذکر ہے جو صدیون بعد زندہ رہکر صحابیت کے مدعی تھے، ان مسلمانون کی آگاہی کے لیے یہ اعلان کر دینا مناسب ہے کہ اول تو یہ سنہ ۹۹ نہین، بلکہ سنہ ۹۹۰ھ ہے، جسمین ہجری کی ھ، عدد ۹۹ اور صفر کے درمیان لکھدی گئی ہے، اس سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، پھر یہ فارسی خط اور زبان اس قرن کے لحاظ سے صحیح نہین، سرباتک کی صحابیت کا واقعہ اول تو محض کہانی ہے، ثانیاً ان کی تاریخ وفات جیسا کہ اصابہ ابن حجر مین ہے سنہ ۳۳۳ھ ہے، ۹۹ھ نہین، اسی طرح جس قنوج

مین محمد بن قاسم نے مبلغ بھیجے تھے، وہ سندھ مین واقع تھا،

جرمنی اور فرانس کے بعد اب انگلستان کو بھی مشرقی علوم کی اشاعت کا شوق پیدا ہوا ہے، چنانچہ ابھی حال مین اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ملل ونحل کے مشہور مصنف عبدالکریم شہرستانی کی علم کلام میں ایک نئی کتاب نہایۃ الاقدام کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہوئی ہے، اس کتاب کی چھپائی کے مصارف برٹش اکاڈیمی اور جیمس نیو اسکالرشپ فنڈ سے ادا کئے گئے ہین، یہ علم کلام کی وہ اہم کتاب ہے، جس کو فخر رازی نے بھی فخر سے یاد کیا ہے، الفرڈ گویوم پرنسپل گمنم کالج نے اسکی تصحیح وتحشیہ کی خدمت انجام دی ہے، دوسری جلد مع فہرست وحواشی امسال شائع ہوگی،

آج یورپ کے مختلف ملکون مین مسلمانون کی علمی ومذہبی کتابون کی طبع واشاعت کی کوششین جاری ہین، اور ان پر مختلف سوسائٹیون کی طرف سے بے دریغ روپیہ صرف ہوتا ہے، مگر یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہو کہ ایک دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کو چھوڑ کر جو شہریار دکن کی خاص فیاضی کا نتیجہ ہو، تمام دنیاے اسلام مین ایک بھی ایسی عام علمی مجلس نہین، جو اس قسم کے کامون کو انجام دیسکے، اور عربی وفارسی ذخیرون کی وہی خدمت کرسکے جو یورپ کے تقریبًا ہر ملک مین کیجارہی ہو، آج ہندوستان کا یہ حال ہو رہا ہے کہ بڑے مطبعون کے ٹوٹنے کے بعد عربی تو کجا، فارسی کی بھی کوئی کتاب یہان نہین چھپتی ہے جو کچھ یہان کتابون کی رونق ہے، وہ مدرسون اور اسکولون سے ہے، اگر یہ بھی نہ ہو تو ہر طرف سناٹا ہے،

افسوس ہو کہ گذشتہ ماہ اکتوبر کے خاتمہ پر نئی تعلیم کے ایک بہترین نمونہ کا خاتمہ ہوگیا، سر سید علی امام صوبہ بہار کے مشہور خاندان کے بیرسٹر نے اس عالم فانی کو الوداع کہا، مرحوم نے ارادہ کیا تھا کہ وہ امسال سفر حج اختیار کرینگے مگر افسوس کہ اس سفر سے پہلے ان کو سفر آخرت پیش آگیا، مرحوم ایک کامیاب بیرسٹر کے علاوہ ہماری زبان کے مشہور مقرر اور اپنے زمانۂ عمل مین اسلامی سیاسیات کی بساط کے نامور مہرے تھے، وہ بکثرت نئی تعلیم، نئے تمدن، اور نئے خیالات کے باوجود اپنے مشرقی علوم وتمدن سے اپنے خاندانی اثر سے بہت کچھ واقف تھے، غالبًا سنہ ۱۹۰۸ء مین مسلم لیگ منعقدۂ امرتسر کی ایک ہی کامیاب صدارتی تقریر تھی جسنے انکو مسلمانون کا سیاسی رہنما بنادیا، ہنگامۂ کانپور کے وقت مین وہ وائسراے کی مجلس وزارت کے رکن رکین تھے، اس ہنگامہ کے فرو کرنے اور مسلم یونیورسٹی کی قانونی ترتیب مین غالبًا ان کا بڑا حصہ تھا، خدا مغفرت فرمائے،

مقالات

بزم تاریخ ہند

از

پروفیسر شیخ عبدالقادر، ایم اے (پونہ)

"اکتوبر کے شذرات مین ہم نے شیخ صاحب موصوف کی جس تجویز کا ذکر کیا تھا، وہ حسب ذیل ہو"

"معارف"

صدیقی الاعز، دام لطفہ،

السلام علیکم، معارف کے تازہ ترین نمبر بابت اگست ۳۲ء کے شذرات کے پہلے پارہ مین آپنے ارشاد فرمایا ہے "ہندو مسلم نااتفاقیون کے مبدء کی جب تلاش کیجائیگی تو ہمیشہ اس کا سرا یا کورٹ یعنی سرکاری عدالتون کے کارپردازون کے ہاتھون مین ملیگا یا کالجون کے پروفیسرون کے" گو یہ قول شیخ صحیح ہے کہ

چو از قومی یکے بیدانشی کرد　　نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

مگر کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ کالج کے تمام پروفیسرون کا گروہ "گاوان دہ" کی ریوڑ مین شامل کرکے ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جائے؟ زیادہ سے زیادہ تاریخ ہند کے سکھانے والے پروفیسرون پر آپکا کلیہ جزئیۃً عاید ہوسکتا ہے مگر جو اشخاص کہ قرآن مجید، احیاء العلوم، منہاج العابدین، دیوان حضرت علی، قصیدہ بردہ، مثنوی شریف، کیمیاے سعادت، اخلاق جلالی، ناصری، محسنی، منطق الطیر، حدیقۃ الحقیقہ، نزہۃ الارواح

گلشن راز، باب الاولیاء، ہند از فرشتہ، بہجۃ الابرار، مخزن الاسرار، مطلع الانوار، تحفۃ الاحرار وغیرہ وغیرہ کتابین
پڑھتے پڑھاتے ہین، وہ کس طرح بین الاقوامی یا معنی بین الانسانی تفرقے کے باعث یا ذمہ دار قرار دیے
جاسکتے ہین؛ جہان وحدۃ الوجود کے مسئلے پر آئے دن دھیان لگایا جاتا ہے وہان کثرت اور دوئی کا
خطرہ کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟ اگر آپنے ان بزرگون کو اپنے کلیہ سے علیحدہ نہین کیا تو کیا ظلم ہوگا؟

اسی شذرہ کے چوتھے پارہ مین آپ فرماتے ہین "معارف مین بار بار یہ دکھایا گیا ہے کہ ہماری یونیورسٹیون
کی تاریخ ہند کی کتابون مین ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی باتین جمع کیجاتی ہین جن سے ان دونون قومون کے جذبات
مین مزید اشتعال ہو اور ان کا اتفاق آیندہ مشکل سے بڑھکر محال ہوجائے" یعنی بعبارت اُخری جو
باتین خلاف مقصود ان کتابون مین پائی جاتی ہین وہ یا تو یونیورسٹیان لکھواتی ہین یا کالج کے پروفیسر
تحریر کراتے ہین، کیا یہ کہنا سچ ہے کہ جو کتابین کالج یا مدارس مین متداول ہین وہ کالجون یا یونیورسٹیون
یا مدرسون کی طرف سے لکھوائی جاتی ہین؟ اس مین شک نہین کہ مدرسون یا کالجون مین جو نصاب تعلیم
مقرر ہے اس مین ایک مضمون تاریخ ہند بھی ہے، اسی طرح جس طرح ندوۃ العلماء کے مدرسے مین تاریخ ہند
یا تفسیر کا مضمون داخل نصاب ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے کے لیے جب کبھی کتابون کی ضرورت محسوس
ہوتی ہے تو ان کتابون ہی سے انتخاب ہوسکتا ہے جو بازار مین دستیاب ہوتی ہین، جیسی کتابین میسر
آتی ہین ویسی انتخاب کیجاتی ہین، جیسی کتابین چاہئین ویسی اگر نہین ملتین تو اس مین کس کا قصور ہے؟
جو اشخاص ایک خاص قسم کی کمی کا احساس کرتے ہین وہ اس کے پورا کرنے کی کوشش کیون نہین کرتے؟
تاکہ جب تاریخ ہند کے متعلق مناسب کتابین داخل درس کرنے کے لیے ڈھونڈی جائین تو منتخبین کو ایسی
ہی کتابین ملین جیسی مقصود ہون، حسب دلخواہ کتابین دستیاب ہوتے ہوے اگر ان کو یونیورسٹیون کے
نصاب مین جگہ نہ ملے تو آپ کا اعتراض ایک حد تک بجا ہوسکتا ہے، مگر جب سرے ہی سے ایسی کتابین موجود
نہ ہون تو پڑھنے پڑھانے والون یا کالجون اور یونیورسٹیون کا کیا قصور ہے،

شذرات کے آخری پارہ مین آپ فرماتے ہین، "حکومت کا فرض ہے کہ رعایا مین امن وامان کے
قیام کی خاطر اس قسم کی کتابون اور تماشون کی روک تھام کرے، اور پبلک کا فرض ہے کہ وہ ایسی کتابون
اور ایسے تماشون کی حوصلہ افزائی سے باز رہے"، تماشون اور تماشائیون سے مجھے کوئی سروکار نہین حکومت
کی طرف سے اگر کتابون کی روک تھام کرانا منظور ہے تو حکومت کی توجہ بالاستیعاب ان کتابون کیطرف
مائل کیجئے، اگر کسی فرد واحد کی درخواست حصول مقصد کے لیے کافی نہ ہو تو ایک ایسی با اثر جماعت قائم
کیجائے جس کی آواز حکومت کے کان مین پہنچکر اس کے دل مین اثر کرجائے، یون تو مقلب القلوب حرارت
کا پیدا کرنے والا اور تاریخ کا گڑھنے والا ہے، مگر عالم اسباب مین وسائط اور وسائل کے بغیر چارہ نہین،
پبلک کے فرائض منصبی کی نظر سے بھی گر "می باید خواند" کتابین اسکی نظر کے سامنے موجود نہ ہون تو "نمی باید
خواند" کتابون کی حوصلہ افزائی وہ نہ کرے تو کیا کرے؟ ظلمات سے نور کی طرف کھینچنے والا جب تک کھینچے
خفتگان شب کو روز روشن کا احساس کس طرح ہو؟

غرض کالج یا مدارس یا ان مین درس دینے والے ہی اس خرابی کے ذمہ دار نہین ہین، بلکہ ایک
بڑا گروہ بھی اس ذمہ داری مین شریک ہے اور وہ ان لوگون کا ہے جو "نابینا و چاہ" کا تماشا دیکھتے ہین،
اور خاموش رہتے ہین، اور امر بالمعروف کی نہی فرماتے ہین، یہ گروہ عنداللہ اور عندالناس کبھی معذور
نہین ہوسکتا،

علاج کیا ہے؟ اس علت مزمنہ کی باقاعدہ تشخیص کیجائے اور اس کے بعد دُہرا بلکہ تہرا علاج شروع کردیا
جائے، یعنی یونانی اور ڈاکٹری اور بیدک، مسلمانون کی مسخ شدہ تاریخ کو اصلی صورت مین پیش کیا جائے اگر
ایک شخص اس اہم کام کا متکفل نہین ہوسکتا تو ایک جماعت واحدہ (مشتملہ علی الاشخاص المختلفۃ فی القابلیۃ
ولکن المتحدۃ فی المقصد والنظر) قرار دیجائے، اطبی اصول کے موافق مشورہ کیا جائے، کیا پورے ہندوستان
مین ایسے چند اشخاص نہین مل سکتے جو اس ضروری اور اہم کام کو پورا کرنے کے لیے بذریعہ خط وکتابت

اور مراسلت (بتوسط معارف) اکٹھا ہو کر مسلمانانِ ہند کی صحیح اور اصلی تاریخ کما حقہٗ معاصرین اور متاخرین کے لیے درست کرین، مے کہن سے نئی بوتلین بھرین، شرابِ طہور کو جدید کاسون مین (کان مزا چھا کانو برا) اونڈیلین؟

غرض آپ کی خدمت فیضدرجت مین یہ عرض ہے کہ آپ ایک اسکیم مرتب کرین، اس کے قواعد وضوابط متعین کرین، تاریخی چھان بین، تحقیق تشخیص و تدادی کے لیے ایک لائق جماعت قائم کرین، اسکی ممبری اور رکنیت کے شرائط مقرر کرین، مضمون کے علحدہ علحدہ حصے کرکے ان کی تقسیم "جو شخص کہ جس کام کے قابل نظر آیا" کے مطابق کرکے کار کو رو براہ کرین، اور پبلک سے اپیل کرین کہ سخنے درمے قلمے امداد فرمائین، معارف مین ایک باب "اصلاحِ تاریخ ہند" کا کھول دین، اور اسی مین اس کام کے متعلق تمام کارروائی مضمون کی قید سے شائع کیا کرین، مولنا مرحوم کی روح خوش ہوگی اور غیب سے مدد ہوگی، اللہ تعالی آپ کو اجرِ عظیم دیگا، اور عمل خیر کرنے والون کو گو وہ ذرہ کے برابر کیون نہ ہو اس کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا،

من نگویم کہ این مکن آن کن،
مصلحت بین و کار آسان کن

معارف

شیخ صاحب نے اوپر کی سطرون مین سب سے پہلے اپنے ہم پیشہ دوستون کی مدافعت کا فرض انجام دیا ہے، جو بہرحال ایک نیک جذبہ ہے، ظاہر ہے کہ معارف کی مراد فارسی اور سنسکرت ادبیات کے مدرسین سے نہ تھی، بلکہ زیادہ تر تاریخ ہند کے معلمین اور بعض دوسرے علوم کے مدرسین سے تھی، تاہم یہ نکتہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ تاریخ ایک ایسی وسیع چیز ہے کہ جس کی وسعت مین ہر علم و فن کا کوئی نہ کوئی گوشہ داخل ہو جاتا ہے، "تاریخ" کے وسیع معنی "ماضی کی یاد" کے ہین، اب ماضی کے تمام واقعات خواہ وہ سیاسی ہون، یا تجارتی،

مذہبی ہون، یا علمی، سب اس کے دائرہ مین آجاتے ہین، چنانچہ سائنس جیسی معصوم چیز، اور خصوصًا طبعیات جیسے غیر متعلق اور غیر متعصب علم کی نسبت کوئی یہ بدگمانی کر سکتا ہے، کہ اس "معصوم" کے ہاتھ سے کسی قوم کو شکایت کا موقع مل سکتا ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہم کو ایک نیک نیت "شیخ وقت" کو سمجھانا تھا، اس لیے اسی شیخ کی نسبت سے یہ کرامت ظہور مین آئی کہ انھین کی یونیورسٹی کے کامیاب طلبہ کی مجلس اسناد مین، طبعیات کا ایک مشہور پروفیسر رامن کھڑا ہوتا ہے، اور خطبۂ صدارت کے اثناء مین یورپ کے الزام کی ایک پارینہ کہانی کو جو حضرت عمرؓ کو کتبخانۂ اسکندریہ کے جلانے کے الزام کے متعلق تھی، اس طرح دہراتا ہے کہ فاتح قیصر و کسریٰ کی منطق پر حاضرین کو ہنسی آجاتی ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ طبعیات و عناصر و کیمیا کے ایک مدرس کو تاریخ کے خارزار مین قدم رکھنے کی کوئی ضرورت تھی؟

ابھی ہمارے سامنے اسٹیٹسمین کلکتہ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۲ء کا پرچہ ہے، اسمین دی لائف آف لے پرنسس (مؤلفہ میڈم اندریا بوٹیمشن ANDYEA BUTEMSCHON) پر ریویو ہے، جسمین جہان آرا بنت شاہجہان کے حالات ہین، جسمین تمام لغویتون کے ساتھ یہ جھوٹی کہانی بھی درج کیگئی ہے، کہ جہان آرا ایک راجپوت پر عاشق تھی، اور راجپوت آئین کے مطابق راکھی بندھن کرکے اس نے اس کو اپنا بھائی بنا لیا تھا، یہ وہ جہان آرا ہے، جو اپنے صوفیانہ مذاق کے لیے مشہور ہے، اور جو حضرت خواجۂ چشت خواجۂ اجمیر کی شمعِ مزار کی پروانہ تھی، اور جس نے بڑے والہانہ انداز مین خواجہ کے حالات قلمبند کئے ہین،

پونہ کی "تاریخ آفرین" مرہٹہ سوسائیٹیون مین جو کچھ ہو رہا ہے اس کا راز دان ہمارے دوست سے بڑھکر پورے ہندوستان مین کوئی نہین، پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد کے مصنف پروفیسرون کی تاریخی تصنیفات مین جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہین، آجکل الہ آباد کے پروفیسر ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی تاریخ ہند ہمارے صوبہ مین پڑھائی جاتی ہے، اس کا صرف وہ باب پڑھنا کافی ہے، جسمین عالمگیر اور سیواجی کی داستان لکھی گئی ہے،

ان حالات مین کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اربابِ قلم ہندوستان کی ماضی کی تاریخ لکھکر حال و مستقبل کی کوئی بہتر خدمت کر رہے ہین ؟

ہمارے فاضل دوست نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ صرف بیماری کا شکوہ نہین، بلکہ بیماری کا علاج کرنا چاہیئے، اور اس کے لیے ایک مجلس تاریخ کی تجویز کی ہے، ہم بڑی خوشی کے ساتھ اُن کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہین،

اُن کو یاد ہوگا کہ آج سے چوبیس برس پیشتر بھی ہم نے حضرت الاستاذ مرحوم کے حسب ہدایت، ندوۃ العلماء کے زیر سایہ ایک مجلس تصحیح اغلاط تاریخی کا کام کئی سال تک انجام دیا ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ ہندوستان کے اکابرِ علم اور مشاہیرِ فن اسمین شرکت کرین، اور کم از کم اُن کی باہمی امداد سے ہندوستان کی ایک صحیح تاریخ مرتب کیجائے، لیکن اس سے بھی زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیا صرف اردو مین کسی ایسی کتاب کا لکھا جانا، مقصد کے حصول کے لیے کافی ہو سکتا ہے،

اس مین کوئی شک نہین کہ ہندوستان کی ایک محقق تاریخ لکھنا آج مسلمانون کا سب سے بڑا فرض ہے، دار المصنفین اس کے لیے اپنے مقدور بھر سب کچھ کرنے کو تیار ہے، لیکن ضرورت ہے کہ دوسرے دردمند اہل علم بھی ہمارے کامون مین حصہ لین، اور اپنی سعی و تحقیق سے ممنون فرمائین،

ہمارے نزدیک یہ مناسب ہے کہ تاریخ ہند کے مختلف حصے کر دیئے جائین، اور ایک ایک حصہ ایک ایک ایسے شخص کو دیدیا جائے، جس نے اس دور تاریخی پر کچھ تلاش و جستجو کی ہے، اور اگر سرمایہ اجازت دے تو ان کو ان کے کامون کا مالی معاوضہ بھی دیا جائے،

اس وقت چونکہ تمام لائق لوگون کے نام ذہن نشین نہین ہین، اس لیے صرف اپنی یاد کے مطابق اس بزم تاریخ ہند کے متعلق حسب ذیل اشخاص کے نام یاد آتے ہین،

۱- پروفیسر شیخ عبدالقادر، دکن کالج پونہ،

۲- پروفیسر محمد حبیب، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ،

۳- پروفیسر ہارون خان شروانی، جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن،

۴- پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی، اسماعیل کالج بمبئی،

۵- مولٰنا سید ابوظفر صاحب ندوی، مؤلف تاریخ گجرات احمد آباد،

۶- ڈاکٹر محمد ناظم، محکمۂ آثارِ قدیمہ دکن، مصنف تاریخ محمود،

۷- پروفیسر سید عبدالقادر، اسلامیہ کالج لاہور،

۸- حکیم سید شمس اللہ قادری، حیدرآباد دکن،

۹- مولوی سید ہاشمی صاحب، مؤلف تاریخ ہند، دار الترجمہ حیدرآباد دکن،

۱۰- مولوی سید مقبول احمد صاحب، مؤلف "حیاتِ جلیل" الہ آباد،

۱۱- مولوی اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی، مؤلف آئینۂ حقیقت،

۱۲- مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی،

یہ نام محض سرسری یاد سے لکھے گئے ہین، ضرورت یہ ہے کہ لوگ اس ضرورت کو سمجھین، اور اس کی امداد کے لیے درمے و قلمے تیار ہو جائین، اس کی تالیف کے مصارف کا تخمینہ کم از کم پانچہزار ہے، تاکہ صاحب تصنیف کو اُس کی تصنیف کا معاوضہ بھی دیا جا سکے، اور اسی قدر روپیہ ان جلدون کی چھپائی پر صرف آئیگا، گو دار المصنفین اپنی حیثیت کے مطابق اس بوجھ کو جہان تک ممکن ہوگا، اٹھائیگا، لیکن اگر کوئی صاحبدل رئیس اس بار کو اٹھا کر تاریخ مین ہمیشہ کے لیے اپنا نام روشن کر جانا چاہتا ہے، تو بہتر ہے کہ اس سلسلۂ تالیف کو اس کے نام سے منسوب کر دیا جائے،

شعلۂ طور

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین،

دنیائے شاعری مین جناب جگر کا نام اور ان کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہین ہے، آج شاعری کا مذاق سلیم رکھنے والا کوئی انسان ان کی شاعری سے ناواقف نہین نکل سکتا، موجودہ دور مین جن جن شعراء نے تغزل کی پست اور پامال سطح کو آسمان کا ہمدوش بنایا ہے، ان مین جگر کا نام بھی خاص طور سے لائق ذکر ہے، یون تو جدید رنگِ شاعری کو چمکانے اور اسے پاکیزہ بنانے مین دورِ حاضر کے بہت سے شعراء کا حصہ ہے لیکن ان مین رئیس المتغزلین حسرت، فانی، اصغر اور جگر کی کوششین زیادہ نمایان اور زیادہ کامیاب نظر آتی ہین، ان مین سے ہر ایک نے گلستانِ شاعری مین نئے نئے گل بوٹے کھلائے اور اپنی زمزمہ سنجیون سے تغزل کی زمین کو آسمان تک پہنچا دیا، ان سب کا رنگ اور ان کی خصوصیت جدا جدا ہے، چنانچہ حسرت کا خالص تغزل، فانی کا سوز و گداز، اصغر کی صوفیانہ اور فلسفیانہ غزل سرائی ان کے اوصافِ خصوصی ہین، اسی طرح جگر کا خاص رنگ اور اُن کی خصوصیت ان کی بیخودی و بے خبری اور جوش و سرمستی ہے، کسی نہ کسی حد تک ان کے دوسرے معاصرین مین بھی انفرادی طور پر یہ اوصاف پائے جاتے ہین، لیکن جگر ہمہ تن جوش و سرمستی ہے، اس نے کیفِ بیخودی مین اپنی ہستی بالکل گم کر دی ہے، اور یہی اس کی شاعری کا مابہ الامتیاز وصف ہے،

جگر کی شاعری کی عمر کچھ ایسی زیادہ نہین ہے، کم از کم انھین پبلک مین روشناس ہوئے زیادہ زمانہ

نہین گذرا، آج سے دس پندرہ سال پہلے مخصوص طبقون کے علاوہ عام لوگ ان کی شاعری سے کم واقف تھے، لیکن آج کوئی مذاقِ سخن رکھنے والا اُن سے ناواقف نہین نکل سکتا، اس قلیل عرصہ مین ان کی شاعری مین حیرت انگیز انقلاب ہوگیا ہے، گو ان کا گلستانِ شاعری آغاز ہی سے اپنے پر بہار مستقبل کا پتہ دیتا تھا، تاہم آج سے دس برس پہلے اور اب کے کلام مین زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، پہلے ایک کلی تھا، اب گل خندان ہے، پہلے ایک جوے مستانہ خرام تھا اب پر شور طوفان ہے، پہلے بیخودی مین احساس بھی شامل تھا، اب ہمہ تن بیخودی اور بے خبری ہے، غرض یہ شراب پرانی ہو کر خالص جوہر بن گئی ہے، جس کا ایک ایک قطرہ دوسرے لذت آشناؤن کو بھی سرشار بنا دیتا ہے،

اُن کا پہلا دیوان ہمارے شہر کے مشہور شاعر اور سخن فہم مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی علیگ نے آج سے دس بارہ برس پہلے بزم ادب کی جانب سے شائع کیا تھا، اب حال مین دوسرا دیوان مطبع مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے چھپ کر شائع ہوا ہے[1]، گو یہ دیوان بشمول "تعارف" چھوٹی تقطیع پر ۱۲۰ صفحات سے زیادہ نہین ہے، لیکن بقول ایک مرحوم اور نامور ادیب کے کہ "لوح سے تحت تک مشکل سو صفحے ہین، لیکن کیا ہے جو یہان حاضر نہین، کون سا نغمہ ہے جو اس سازِ زندگی کے تارون مین بیدار یا خوابیدہ موجود نہین ہے" مین آیندہ سطور مین اسی سازِ زندگی پر مضراب لگانا چاہتا ہون،

اس مختصر دیوان کے آغاز مین استاذی مولنا سید سلیمان ندوی کا لکھا ہوا دس صفحات کا تعارف ہے جو بجائے خود ایک دیوان منثور اور جس کا لفظ لفظ شعر ہے جیسا کہ "تعارف" کے نقطے سے ظاہر ہے، اس مین شاعری کی حقیقت و ماہیت یا جگر کی شاعری پر فنی حیثیت سے کوئی نقد و تبصرہ نہین ہے بلکہ محض حضرت جگر کی ذات کا تعارف اور ان کی شاعری پر شاعرانہ انداز مین اظہار خیال کیا گیا ہے، اس تعارف مین شاعر کی زبان مین حقیقت کی ترجمانی نے عجب کیف پیدا کر دیا ہے، قطع نظر لطف بیان کے اس سے جگر کی شاعری کی حقیقت پر بھی پوری

[1] معارف و دفتر مسلم انسٹیٹیوٹ پریس مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے ۱۲ مین ملیگا،

روشنی پڑتی ہے، اس لیے اس کے بعض ٹکڑے اس موقع پر نقل کیے جاتے ہین، جگر کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوے فرماتے ہین،

"جگر کی شاعری مین زلف وشانہ ہے، نہ سرمہ وآئینہ، نہ ہوسِ بالاے بام نہ شکایت منظرِ عام، نہ اُس کے کاشانۂ خیال مین چتھماے بسمل کی آئینہ بندی ہے، نہ اس کے محبوب کے ہاتھون مین قصاب کی چھری اور جلاد کی تلوار ہے، نہ اس کے کوچہ مین شہدا کے دل وجگر کی گلکاری ہے، وہ مست ہے اور اسی مستی مین کسی نادیدہ کا سراپا مشتاقِ نظر ہے، وہ اس کے حجابات کو اپنے رعشہ دار ہاتھون سے بار بار اٹھانا چاہتا ہے، مگر نہین اٹھا سکتا، وہ جھانک کر دیکھنا چاہتا ہے مگر نہین دیکھ سکتا، اسکی تمنا کی آنکھین اس کو کبھی بے حجاب دکھا دیتی ہین، تو وہ ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہتا ہے مگر وہ تصویر نگاہون کے سامنے سے غائب ہو جاتی ہے،

جگر مستِ ازل ہے، اس کا دل سرشارِ الست ہے، وہ محبت کا متوالا ہے، اور عشقِ حقیقی کا جویا، وہ مجاز کی راہ سے حقیقت کی منزل تک، اور بتخانہ کی گلی سے کعبہ کی شاہراہ کو، اور خم خانہ کے بادۂ کیف سے بیخود و فراموش ہوکر بزمِ ساقیِ کوثر تک پہنچنا چاہتا ہے،

جگر بظاہر سرشار مگر درحقیقت بیدار ہے، اس کی آنکھین پُرخمار مگر اس کا دل ہشیار ہے، اور کیا عجب کہ خود جگر کو بھی اپنے دل کی خبر نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اس کے کلام مین یہ اثر نہ ہو"

مذکورہ بالا سطور جگر کی شاعری کی حقیقت کا خلاصہ اور عطر ہین جن سے اس کی شاعری کی تمام ناقابلِ بیان کیفیتون اور نازک اداؤن کو الفاظ مین دکھا دیا گیا ہے،

اس مختصر تعارف کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے جو ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس مین سو صفحات مین اردو کی غزلین اور کچھ متفرق اشعار ہین، اردو کی غزلون کے بعد ۲۴ صفحون مین "خمستانِ فارس" کے عنوان سے بادۂ شیراز کے مصفا جام یعنی فارسی کا کلام ہے، سب سے آخر مین چھ صفحون مین "نظمیات" کے ماتحت تین مسلسل

نظمین "غمِ انتظار" "نرگسِ مستانہ" اور "یادِ ایام" ہین، آیندہ سطور مین اسی مختصر مجموعہ کے متعلق اظہارِ خیال کرنا ہے،

جگر کی شاعری پر نقد و تبصرہ بہت اہم اور نازک فرض ہے جس سے کم از کم میرے لیے خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ جہانتک ان کی شاعری کی فنی حیثیت اور ظاہری خوبیون کا تعلق ہے، اس کو تو الفاظ مین دکھایا جا سکتا ہے، لیکن اس کی وجدانی اور ذوقی کیفیتین اور لطیف اور نازک ادائین الفاظ کی تشریح کی متحمل نہین ہوسکتین کہ پھول کی بو، ساز کا نغمہ، اور شراب کا نشہ نقطون کی قید مین نہین آسکتا، اُس کے لیے صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ ع ذوقِ این بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی،

جگر کی شاعری کی خصوصیات

جگر کے کلام مین ظاہری اور معنوی حیثیت سے چند ایسی خصوصیات ہین جو اس کو دوسرے شعراء کے کلام سے ممتاز بناتی ہین، اسکی ظاہری خصوصیات مین سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ اس کی سادگی اور سلاست ہے، جگر ہمیشہ نہایت سہل اور سادہ الفاظ، آسان اور دل نشین ترکیبین استعمال کرتا ہے، غزل کی غزل پڑھ جاؤ، کسی شعر مین کوئی ثقیل، نامانوس اور مشکل نقطہ نہ ملیگا، لیکن اس کے باوجود کمالِ قدرت یہ ہے کہ شعر کی گرمی، زورِ بیان اور بلاغت مین کوئی کمی نظر نہین آتی، جگر کا ادب شناس ذوق اس نکتہ سے اچھی طرح واقف ہے کہ نظم و نثر کی بلاغت اور دلنشینی کا راز الفاظ کے ثقل اور شکوہ سے زیادہ انکے دروبست اور ترکیب کے توازن مین پنہان ہے، اسی لیے وہ انھین شیرین اور سادہ الفاظ اور سہل و آسان ترکیبون سے باغ کی بہار، جوئبار کی مستانہ خرامی، نسیمِ سحر کی اٹکھیلیان، اور تبسم کی موج کی بھی مصوری کرتا ہے اور انھین سے بجلی کی تڑپ، بادل کی گرج، طوفان کے شور اور آندھی کے جھکڑ کے ہولناک مناظر بھی دکھاتا ہے، لطیف جذبات اور سادہ خیالات کی مثالین ملاحظہ ہون،

ایک رنگین نقاب نے مارا — حسن بن کر حجاب نے مارا

موت کی نیند چھائی جاتی ہے — کہہ چکا مین فسانۂ غم کیا

فروغِ بادہ ترے حسن کا جواب ہوا — سنبھالنا مجھے ساقی کہ بے نقاب ہوا

لہو کی ہر ایک بوند دل بنگئی ہے … خوشا لذتِ کامیابِ محبت

ان لبوں کی جان نوازی دیکھنا … منھ سے بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب

اوپر کے اشعار لطیف اور سادہ جذبات کی مثالیں ہیں اور کسی میں کوئی ثقیل لفظ اور پرپیچ ترکیب نہیں ہے لیکن اس سادگی کے باوجود شعر کی دل آویزی اور بلاغت میں کوئی کمی نہیں نظر آتی،

بعینہٖ انھیں سادہ الفاظ اور آسان ترکیبوں سے وہ تیز سے تیز اور تند سے تند جذبات اور خیالات کا نقشہ کھینچتے ہیں اور سادگی کے باوجود جوشِ بیان اور سرمستی میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی،

جدھر کو مستیِ دریا نے رخ کیا اپنا … تڑپ کے موج اٹھی جھوم کر حباب اٹھا

بجلیاں طورِ تصور پہ گرانے والے … پھونک دے پھونک دے ہستی کے سیہ خانے کو

یک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ … لے کے اڑ جائے نہ یہ عالمِ امکاں کوئی

مری مستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے … مرا منھ دیکھتے ہیں جذبِ منزل دیکھنے والے

اس جانِ مے کدہ کی قسم بارہا جگر … کل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

جو دل سے اٹھتے ہیں شعلہ وہ رنگ بن بنکر … تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں

ان اشعار میں پرشکوہ الفاظ سے احتراز کے باوجود ہر شعر تندیِ جذبات کی پوری مصوری کر رہا ہے،

الفاظ کا انتخاب اور اس کی نشست

شعر کی تاثیر کے لیے سب سے مقدم شرط الفاظ کا مناسب انتخاب اور انکا مناسب استعمال ہے کیونکہ سامعہ پر سب سے پہلا اثر الفاظ کی شیرینی اور اس کے ترنم کا پڑتا ہے، معنی پر بعد میں نظر جاتی ہے، معنوی حیثیت سے شعر کا مفہوم کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو لیکن اگر الفاظ شیریں اور ترکیب مترنم نہیں ہے تو شعر بالکل پست ہو جائیگا اور سننے والے پر اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑے گا اس کے برعکس سادہ سے سادہ تخیل کو الفاظ کی سحر کاری کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، جگر کو الفاظ کے مناسب انتخاب اور اسکی نشست کا خاص سلیقہ ہے، وہ اگرچہ الفاظ نہایت سادہ استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کی شیرینی اور ترکیب کی خوبی شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے،

کیفِ شباب و سرخوشیِ بادۂ حیات … کیا دور تھا تری نگہِ مستِ ناز کا

ان لبوں کی جان نوازی دیکھنا … منھ سے بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب

دوڑا کے حسنِ یار کی ہلکی سی اک لہر … کانٹوں کو میں نے رشکِ گلستاں بنا دیا

دیدۂ شوق سے ہوئیں آج وہ گل فشانیاں … ڈوب گئی بہار میں سادگیِ لباسِ حسن

فریب خوردۂ رنگینیِ اداہوں میں … نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں

بعض بعض اشعار میں وہ صرف ایک لفظ سے عجیب کیفیت پیدا کر دیتے ہیں، اس موقعہ پر "خاص" کے لفظ کے استعمال کی چند مثالیں پیش کیجاتی ہیں، کہ انھوں نے اس کو کس کس خوبی سے استعمال کیا ہے اور اس سے کیسے کیسے لطیف معنی پیدا کئے ہیں، کسی قدیم شاعر نے کہا ہے، ؏ "غمزۂ خاص بہر گبر و مسلمان داری" اس "غمزۂ خاص" کی تشریح ناممکن ہے، اب جگر کا "خاص" ملاحظہ ہو،

اے حال و قال سے واسطہ نہ غرض مقام و قیام سے … جسے کوئی "نسبتِ خاص" ہو ترے حسنِ برق خرام سے

"نگاہِ خاص" سے چھلکا رہا ہے مئی کوئی … وہ پاکباز نہیں اب جو پاکباز رہے

نہیں معلوم وہ کس طرح کے انسان ہونگے … جن پہ تیرے "ستمِ خاص" کے احسان ہونگے

مذکورہ بالا اشعار میں "نسبتِ خاص" "نگاہِ خاص" اور "ستمِ خاص" نے اشعار میں کتنے بلند اور کیسے وسیع اور گہرے معنی پیدا کر دیئے ہیں، یا مثلاً

معراجِ شوق کہئے یا حاصلِ تصور … جس سمت دیکھتا ہوں "تو مسکرا رہا ہے"

"مسکرانے" کے بجائے یہاں اور بہت سے معراجِ شوق کے نتائج دکھائے جا سکتے ہیں لیکن مسکرانے کے خاص لفظ نے شعر میں جو بات پیدا کی ہے وہ کسی دوسرے نتیجے سے نہیں پیدا ہو سکتی تھی،

سلاست و روانی

نظم کی ایک ممتاز خوبی یہ ہے کہ خیالات کی نزاکتوں اور ادا کی دقتوں کے باوجود سلاست

ورو انی مین کوئی فرق نہ آنے پائے اور کسی جگہ زبان کو ٹھوکر نہ لگے نظم کی سلاست وروانی کا انتہائی کمال
یہ ہے کہ اس کو نثر کرنے کے بعد بھی اسکی ترکیب مین فرق نہ آئے یعنی اگر اسے نثر بنایا جائے تو کسی لفظ اور
کسی جملہ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی ضرورت نہ پیش آئے ، مرزا غالب کا یہ کمال سمجھا جاتا تھا کہ اپنی ژولیدگی
بیان کے باوجود انھون نے بعض بعض غزلین ایسی کہی ہین جو سلاست وروانی کا مکمل نمونہ ہین ، مثلاً

موت کا ایک دن معین ہے … نیند کیون رات بھر نہین آتی

سبزہ کو جب کہین جگہ نہ ملی … بن گیا روے آب پر کائی

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہان کوئی نہ ہو … ہمنوا کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہو

یون تو جگر کا پورا کلام سلاست وروانی کا مجموعہ ہے لیکن چھوٹی بحر کی متعدد غزلین سلاست بیان
کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہین غزل کی غزل پڑھ جاؤ شربت کے گھونٹ کی طرح حلق کے نیچے اترتی چلی جائیگی ، اور
کہین پر زبان کو رکنے کی ضرورت نہ پیش آئیگی بعض بعض غزلین تو ایسی ہین کہ اگر پوری غزل کو نثر بنانا چاہین
تو ایک لفظ کی تقدیم و تاخیر کی ضرورت نہ پیش آئے گی یہان مختلف غزلون کے دو دو شعر نمونۃً نقل کئے جاتے ہین ؛

عشق کو بے نقاب ہونا تھا … آپ اپنا جواب ہونا تھا

تیری آنکھون کا کچھ قصور نہین … ہان مجھی کو خراب ہونا تھا

چھپتے ہین اور چھپا نہین جاتا … اس اداے حجاب نے مارا

ہم نہ مرتے ترے تغافل سے … پرسشِ بے حساب نے مارا

جذبۂ شوق کامیاب ہوا … آج مجھ سے انھین حجاب ہوا

دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی … آج شاید وہ بے نقاب ہوا

ستم یار کی دہائی ہے … نگہ التفات نے مارا

موت کیا ایک لفظ بے معنی … جس کو مارا حیات نے مارا

جز ترے کچھ نظر نہین آتا … آرزو بن گئی مجسم کیا

موت کی نیند چھائی جاتی ہے … کہہ چکا مین فسانۂ غم کیا

لہو کی ہر اک بوند دل بن گئی ہے … خوشا لذت کامیاب محبت

کوئی نقش صورت نہ قائم رہیگا … ٹھہرنے جو دے اضطراب محبت

لطفِ زبان

شاعری کے اس دور انقلاب مین بھی شعرا کا ایک طبقہ ایسا ہے جو ابھی تک خیالات کی بلندی
جذبات کی پاکیزگی اور اسلوب بیان کی ندرت کے مقابلہ مین شاعری مین " زبان " کی چاشنی ڈھونڈھتا
ہے ، اور جو شعر اس ٹکسال کا ڈھلا نہین ہوتا وہ خواہ اپنی دوسری خوبیون کے لحاظ سے کتنا ہی بلند اور پاکیزہ
کیون نہ ہو کھوٹا شمار کیا جاتا ہے ؛ اس مین شبہ نہین کہ ہر کلام کی خوبی کے لیے خواہ وہ نظم ہو یا نثر زبان
کی صحت اور شستگی نہایت ضروری شرط ہے ، لیکن زبان کی صحت اور شستگی الگ شے ہے اور لطف زبان اور شے
لطف زبان سے مراد وہ مخصوص اور ٹکسالی محاورے ہین جو اردو کے مرکزون کی گلیون مین بولے جاتے
ہین ، میرے نزدیک زبان کی خوبی کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ اس مین کوئی صرفی نحوی خامی نہ ہو،
محاورے کے خلاف نہ ہو، انداز بیان مین فصاحت اور دلکشی ہو، اگر کلام اس معیار پر ٹھیک اترتا ہے تو پھر
اس کی خوبی کے لیے اور کسی عنصر کی ضرورت نہین ؛ اس معیار کے مطابق جگر کے کلام کی خوبی مین گفتگو کا
کوئی محل ہی نہین ہے ، اس کا ہر شعر نہ صرف صحت زبان بلکہ فصاحت و بلاغت کا بھی نمونہ ہے ، لیکن شاعری
مین زبان کی چاشنی ڈھونڈنے والون کے لطف کا بھی پورا سامان موجود ہے ،

چشم پرنم زلف آشفتہ نگاہین بے قرار … اس پشیمانی کے صدقے مین پشیمان ہو گیا

زاہد یہ میری شوخیِ رندانہ دیکھنا … رحمت کو باتون باتون مین بہلا کے پی گیا

لاکھ جانین ہون تو مین اپنی تصدق کردون … وہ یہ فرمائین زبان سے اسے برباد کیا

فراق و وصل کے صدقے مگر مرے مالک … فراق و وصل مین کوئی تو امتیاز رہے

الٰہی بھیجدے ایسے مین اس جانِ تمنا کو — سکوتِ شب کا سناٹا ہو اور دل کی کہانی ہے

لیے پھرتا ہون ایک تصویرِ حسرت اپنے سینہ مین — خدا بخشے دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہے

نیتِ شب بخیر اے ساقی — بزمِ جم کیا ہے ساغرِ جم کیا

فارسی ترکیبین اس مین شبہ نہین کہ نظم ہو یا نثر اسکی خوبی الفاظ کی سادگی اور ترکیبون کی سہولت مین ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا کہ شعر کا لطف فارسی کے شیرین الفاظ اور دلنشین ترکیبون سے کہین دوبالا ہوجاتا ہے، اور یہ وہ مرصع کاری ہے جس سے زیورِ شاعری جگمگا اٹھتا ہے، زبان کی سادگی اور فارسی الفاظ اور ترکیبون مین کوئی تضاد نہین ہے، جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے، تضاد تو اُن بدمذاقون نے پیدا کردیا ہے جنھین اردو مین فارسی الفاظ اور ترکیبون کے کھپانے کا سلیقہ نہین ہے، وہ فارسی کے ہر قسم کے الفاظ خواہ وہ اردو کے آہنگ سے جوڑ کھاتے ہون یا نہ کھاتے ہون عبارت مین ٹھونس دیتے ہین، ورنہ اگر دونون کے ترنم اور آہنگ کا خیال رکھتے ہوے فارسی کے شیرین الفاظ اور دلنشین ترکیبین اردو مین کھپائی جائین تو اردو نثر و نظم کہین سے کہین پہنچ جاتی ہین، حضرت جگر نے حتی الامکان فارسی سے بہت احتراز کیا ہے، لیکن انکا کلام اسکی لطیف آمیزش سے بالکل خالی نہین ہے، لیکن جن جن موقعون پر انھون نے فارسی سے کام لیا ہے اپنی خوش مذاقی سے اسے اردو مین ایسا کھپا دیا ہے کہ فارسی اور اردو کی متناسب آمیزش سے عجب خوش منظر گنگا جمنی رنگ پیدا ہوگیا ہے، ذیل کی مثالین اس کی شاہد ہین،

بندگی جنون ادا بے خودیٔ ادب سرشت — حسن کی اصطلاح مین عشق اسی کا نام ہے

شیشہ مست بادہ مست حسن مست عشق مست — آج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے مین ہے

دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب — اے خوش آن وقتے و خوش جامِ شراب

ہان نگاہِ شوق وہ اٹھی نقاب — آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

نہ دیکھو مجھے صرف اتنا تو کہہ دو — ہلاکِ تماشا، خرابِ محبت

تیری نگاہ ناز یابن شانِ اضطراب — ہم جانِ دردِ عشق ہم ایمانِ اضطراب

حرم و دیر نظر آتے ہین سب سر بسجود — جلوہ گر کون مرے شوقِ جبین ساز مین ہے

لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے — بس اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے

ان اشعار مین نہ صرف فارسی کی ترکیبین ہین بلکہ بعض بعض پورے پورے مصرعہ فارسی کے ہین، لیکن اس حسنِ مذاق کے ساتھ کھپائے گئے ہین کہ شعر کے ترنم مین کوئی فرق نہین آیا ہے بلکہ اردو اور فارسی کے زیر و بم نے مل کر ایک ہم آہنگ نغمہ پیدا کردیا ہے،

جگر کی معنوی خصوصیات اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ جگر کی شاعری کے ظاہری نقوش اور خدوخال کے متعلق تھا، گو اس مین بھی وہ اپنے اکثر معاصرون سے ممتاز ہے، لیکن یہ اس کا کوئی مخصوص اور انفرادی وصف نہین ہے، بلکہ اس کے بعض دوسرے خوش مذاق ہمعصر بھی اس وصف مین اس کے شریک ہین، جگر کی شاعرانہ انفرادیت اس کی شاعری کی معنوی خصوصیات مین نظر آتی ہے،

اس کی معنوی خصوصیات مین جو خصوصیت سب سے زیادہ نمایان نظر آتی ہے وہ خیالات کی وحدت و یکسانی کے ساتھ اندازِ بیان کا تنوع اور طریقِ ادا کی نیرنگی ہے، حافظ شیراز کی طرح جگر کے خیالات بھی محدود اور بندھے ہوئے ہین، انھین کو وہ مختلف پیرایون مین ادا کرتا ہے اور اس طرح ادا کرتا ہے کہ بیان کی نیرنگی سے ایک عالم نظر آتا ہے، شراب ایک ہی ہوتی ہے، لیکن مختلف ساغرون مین بٹ کر جدا جدا کیف و اثر دکھاتی ہے ساز ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس کا ہر نغمہ اپنی تاثیر اور ترنم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف سنائی دیتا ہے، دوسری خصوصیت اس کے جذبات کی لطافت اور پاکیزگی اور خیالات کی فلک پیما بلندی اور وسعت ہے، غزل کے مضامین محدود ہین یعنی وہی حسن و عشق کی واردات اور کیفیات اور اس کے لوازم و نتائج کی مصوری، اسی لیے تغزل کی زمین مین مشکل ہی سے کوئی اچھوتا مضمون نکلسکتا ہے لیکن یہ جگر کے خیالات کی وسعت اور بلندی ہے کہ وہ اس پامال زمین مین بھی نئے نئے گل بوٹے کھلاتا ہے، اس

پرانے پھولون کو بھی اس طرح سجا کر پیش کرتا ہے کہ ہر گلدستہ اپنے رنگ و بو کے اعتبار سے نیا نظر آتا ہے،

تیسری خصوصیت اس کا جوش اس کی سرمستی اور بیخودی اور خود فراموشی ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے عالم بیخودی مین کہتا ہے اور کہتے کہتے خود اس مین گم ہو جاتا ہے، اسی کا یہ اثر ہے کہ اس کا ہر شعر سننے والون کو بھی مست و بیخود بنا دیتا ہے،

جگر کے خیالات کی بلندی اور وسعت

خیالات اور جذبات کے اعتبار سے جگر کی شاعری کی دو قسمین ہین، ایک مادی دوسری روحانی، جگر جب تک انسانی پیکر مین عالم آب و گل کی باتین کرتا ہے تو وہ اپنے خیالات مین کسی نہ کسی حد تک عام شعراء کا ساتھ دیتا ہے، لیکن جہان سے اس کی خاص روحانی سرحد شروع ہوتی ہے وہان سے وہ عالم ناسوت کو چھوڑ کر عالم لاہوت مین پرواز کر جاتا ہے اور روح القدس سے ہم کلام ہوتا ہے، اس وقت اس کے خیالات سراسر الہام بن جاتے ہین، اس کی شاعری زیادہ تر اس کی دوسری حیثیت سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ اس کا مطلوب ایک نادیدہ اور بعید از فہم و قیاس حقیقت ہے اس لیے اس کے عشق کی شان اس کے اثرات اور اسکی کیفیات بھی جداگانہ ہین، ہجر و وصل، سوز و گداز کامیابی و ناکامی کی تمام کیفیتین اس پر بھی طاری ہوتی ہین، لیکن ان تمام کیفیتون کی شان عام عشق کے کوائف سے جداگانہ ہوتی ہے، بلکہ وہ خود ان ناقابل بیان کیفیتون کو بیان نہین کر سکتا ہے،

جگر کی شاعری کا یہی وہ حصہ ہے جس پر الفاظ مین تبصرہ بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ محض ایک وجدانی کیفیت ایک ماورائے تخیل اور ایک ایسی نازک، دقیق اور لطیف حقیقت ہے جو قلم کی موشگافیون کی متحمل نہین ہو سکتی، اور اس کا حقیقی لطف صرف ارباب ذوق اور اہل دل ہی اٹھا سکتے ہین، بہر حال اپنی کوتاہی قلم کے اعتراف کیساتھ پہلے جگر کی شاعری کے اس حصہ پر تبصرہ کیا جاتا ہے، جسپر مجاز کا ہلکا سا رنگ جھلکتا ہے، تاکہ ناظرین آیندہ جمال حقیقت کے بے نقاب مشاہدہ کے لیے تیار ہو سکین،

حسن و عشق کی بنیاد تمامتر دل پر ہے، خواہ وہ عشق حقیقی ہو یا مجازی عشق کی آگ اسی چقماق سے

پیدا ہوتی ہے، دونون مین فرق اس قدر ہے کہ عشق حقیقی مین دل کی کیفیتین زیادہ لطیف اور پاکیزہ ہو جاتی ہین اور ہوا و ہوس کے تمام خس و خاشاک جل کر خاکستر ہو جاتے ہین، لیکن دل کا تعلق بہر حال قائم رہتا ہے، لیکن جگر کا عشق اس سے بھی بلند تر پاکیزہ تر ہے، چونکہ اس کا مطلوب عالم مادی سے ماوراء اور مجسم لطافت ہے اسلیے اس کے یہان دل کا مادی واسطہ بھی درمیان مین باقی نہین رہتا،

حیران ہون کہ یہ آخر کیون بیچ مین حائل تھا　　میرا ترا رشتہ تو بے واسطۂ دل تھا

اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور درمیان مین اپنی ہستی کا پردہ بھی گوارا نہین کرتا،

تمام اٹھ گئے پردے تو اس سے کیا حاصل　　مزہ تو جب تھا کہ مین بھی نہ درمیان ہوتا

وصل و ہجر عاشقی کی ضروری واردا تین ہین لیکن جگر کے ہجر و وصل کی صورت عالم مادی کے وصل و ہجر سے بالکل مختلف ہے،

وہ ہجر کے پردے مین جس وقت کہ واصل تھا　　اس درجہ لطافت تھی احساس بھی مشکل تھا

ہجر بلائے جان نہین بلکہ راز و نیاز کا "خاص وقت" ہے۔

تنہائی فراق مین کیون گریہ کیجئے　　اے دل یہ وقت خاص ہے راز و نیاز کا

وصال دوست کا حس، عشق کے نقص اور ناتمامی کی دلیل ہے،

خلوتیان راز کا خاص یہ اک پیام ہے　　حس وصال دوست بھی منزل ناتمام ہے

"خلوتیان راز" کے اس "خاص" پیام کا لطف خلوتیان راز ہی اٹھا سکتے ہین،

نگاہ کے تحیر اور رگ جان کے تواجد سے نظر مشاہدۂ جمال اور دل اس کے احساس سے محروم ہے،

نہین آپے مین کوئی کسکو ہو احساس نظارہ　　تحیر ہے نگاہون کو تواجد ہے رگ جان کو

شاد عظیم آبادی نے اس تخیل کو اس سے زیادہ پاکیزہ ادا کیا ہے،

کبھی ایک وعدہ وصال کا جو وفا ہوا بھی تو کیا ہوا　　مجھے حیف اپنی نظر پہ ہے انھین اپنے جلوہ پہ ناز ہے

لیکن جگر کو اس تحیر کا کوئی غم نہین بلکہ یہ اسکی عین آرزو ہے اور اس کا سبب یہ ہے،

بھلا ہوا کہ نظر حیرتون مین ڈوب گئی — کہان کہان نہ ترا حسن رائگان ہوتا

مشاہدۂ جمال کی آخری حد یہ ہے کہ دیکھنے والا سراپا نظر بنکر جلوون مین گم ہوجائے،

ترے جلوون مین گم ہوکر خودی سے بیخبر ہوکر — تمنا ہے کہ رہ جاؤن مین سرتاپا نظر ہوکر

جمال کی لطافت مانعِ نظارہ سہی لیکن دل کا ربطِ نہانی خود قربت کا پتہ دیدیتا ہے،

لطافت مانعِ نظارۂ صورت سہی لیکن — دھڑکنا دل کا کہتا ہو وُہ گذری ہین اِدھر ہوکر

سالک راہِ حقیقت کی آخری منزل پر پہنچکر خود گم ہوجاتا ہے،

مجھے تلاش کرے بیخودیٔ شوق سجود — پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہون مین

اس منزل پر پہنچنے کے بعد سالک راہ حقیقت پر سے ظاہری آداب و رسوم اٹھ جاتے ہین،

اسے حال و قال سے واسطہ نہ غرض مقام و قیام سے — جسے کوئی نسبت خاص ہو ترے حسنِ برق خرام سے

اس لیے کہ نسبت خاص کے بعد پھر حال و قال اور مقام و قیام کی ضرورت ہی کیا باقی رہجاتی ہو،

آشنائے راز ہونے کے لیے دوری چاہیے،

کھلا یہ راز تری جلوہ گاہ قربت مین — جو تجھ سے دور رہے آشنائے راز رہے،

گو حسن حقیقت مستور رہے لیکن عشق کی تسلی کا سلسلہ برابر جاری ہے،

مجھے دیئے ہین تسلیان وہ ہر ایک تازہ پیام سے — کبھی آکے منظر عام پر کبھی ہٹ کے منظر عام سے

شکستِ ساز کا نغمہ ساز کے نغمہ سے زیادہ پر لطف ہوتا ہے،

دل مرا توڑ کر کہا اس نے زبان راز مین — ساز مین نغمہ وہ کہان جو ہو شکستِ ساز مین

"زبانِ راز" کے ٹکڑے نے اس شعر مین کتنی گہرائی پیدا کر دی ہے،

اکبر اور اقبال نے اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح ادا کیا ہے، اکبر نے کہا ہے،

دلِ شکستہ مین رہتا ہے بادۂ عرفان — سنا ہے مین نے کہ شیشہ یہ چور ہی اچھا

اقبال کہتا ہے،

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ — جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز مین

گو واقعہ کے اعتبار سے اکبر و اقبال کے اشعار حقیقت سے زیادہ قریب ہین لیکن جگر کے انداز بیان مین شعریت زیادہ ہے اس لیے کہ اس مین خود ساز کا بنانے والا شکست راز کے رمز کو "زبان راز" مین بتا رہا ہے،

انجامِ محبت کی محویت مین قربت اور دوری کا امتیاز باقی نہین رہتا،

انجامِ محبت کی اللہ رے محویت — یہ بھی نہین کھلتا ہے قربت ہو کہ ہو دوری

سجدہ اور جبین سائی مین جبین و سجدہ کا امتیاز باقی رہنا جبین و سجدہ کی توہین ہے،

جبین و سجدہ کی توہین ہے جبین سائی — جبین و سجدہ مین کچھ بھی جو امتیاز رہے

یہی سجدہ خلاصۂ عبادت ہے،

یہ بیخودی اس سے بھی آگے بڑھ کر عبادت کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتی ہے، جہان جبین و آستان مین بھی امتیاز باقی نہین رہتا،

مین کس کے سامنے اب اپنی جبین جھکاؤن — میری جبین نہین ہے تیرا ہی آستان ہے

یہی وہ مقام ہے جہان طالب و مطلوب مین گم ہوکر اپنی شخصیت فنا کر دیتا ہے اور عالم وارفتگی مین وہ مطلوب کی زبان بنکر بولنے لگتا ہے،

اسرارِ حقیقت اوپر جو اشعار نقل کئے گئے، وہ اگرچہ اپنے خیالات کی بلندی و وسعت کے لحاظ سے جگر کے مقام عشق کا پتہ دیتے ہین، لیکن اس اصول کے ماتحت

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہین ہے ساغر و مینا کہے بغیر

ان مین ہلکا سا حجاب مجاز نظر آتا ہو اور جگر خود اس حجاب کو اٹھانا نہین چاہتا ہے کیونکہ یہ حسن حقیقت

کے احترام کے منافی ہے چنانچہ کہتا ہے،

روان اگرچہ ہین اسمین بھی سب وہی موجین
مگر ہے قطرہ پر فرض احترام دریا کا

لیکن اتحادِ معنی خود زبان بنکر بول اٹھتا ہے،

ہر ایک قطرہ انا البحر کہہ اٹھیگا ضرور
یہی جو رنگ رہا اتحادِ معنی کا

اس کے عشق کی ابتدا روزِ ازل ہی سے ہوتی ہے،

ربطِ باطن اسکو کہتے ہین کہ روزِ اولین
روح مضطر ہی رہی پیدا نہ جبتک دل ہوا

اٹھتے تھے ادھر پردے پیہم رخِ فطرت سے
مین محوِ تماشائے صورت گریِ دل تھا

روزِ ازل اس بارِ امانت کو اٹھا تو لیا لیکن انجام سے غافل تھا،

کونین کا غم دل نے سب لیا اپنے سر
آغاز کا دیوانہ انجام سے غافل تھا

وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً، لیکن

خراب ہو کے بھی دل کب جہان خراب ہوا
اک آفتاب کا سایہ تھا آفتاب ہوا

پھر یہی دلِ خراب اور سایۂ آفتاب ذاتِ حق مین فنا ہو کر دائرۂ مجاز کا مرکز بنگیا،

ہو کے فنائے ذاتِ حق دل مرا سوز و ساز مین
مرکزِ اصل بنگیا دائرۂ مجاز مین

اور اس وقت اس کا یہ کہنا بالکل بجا و درست ہے کہ

حرم و دیر نظر آتے ہین سب مسجود
جلوہ گر کون مرے شوقِ جبین ساز مین ہے

اور یہ دعوی بھی اس پر زیب دیتا ہے،

آجائے اگر ضد پر اپنی کوئی دیوانہ
خود گرد پھرے آکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

اب اس راہِ سلوک کے کچھ قوانین و ضوابط اور احوال و کوائف ملاحظہ ہون چونکہ یہ عالم اس عالم مادی سے جدا ہے اس لیے اس کے قوانین و ضوابط بھی اس سے جدا ہین اس عالم مادی مین نظارہ مشاہدہ جمال کا

وسیلہ ہے، لیکن جمالِ حقیقت کے مشاہدہ کے لیے یہی وسیلہ حجاب بنجاتا ہے،

تو سامنے ہے پھر بھی بتلا کہ تو کہان ہے
کس طرح تجھکو دیکھون نظارہ درمیان ہے

اس مسئلہ پر معتزلہ اور اشاعرہ کی پرانی بحث چلی آتی ہے کہ قیامت مین ان آنکھون سے دیدارِ الٰہی ممکن ہے یا نہین،

پردۂ مجاز کے بغیر مجرد جمالِ حقیقت کا مشاہدہ ان مادی آنکھون سے ناممکن ہے،

شمع جب فانوس مین تھی آنکھ تھی محوِ جمال
جب ہوئی عریان نگاہون کو پریشان کر دیا

جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت مین
نظر کا بنگئے دھوکا نظر کی صورت مین

اسی لیے حسنِ حقیقت ہمیشہ پردۂ مجاز مین نظر آتا ہے،

کچھ اس طرح وہ پسِ پردۂ مجاز رہے
حجاب ساز مین جیسے نوائے ساز رہے

اسی تشابہ کی بنا پر سالک کو ہر ہر قدم پر دھوکا ہوتا ہے

دھوکا تھا ہر قدم پر تری بزمِ ناز کا
کیا سخت مرحلہ تھا حریمِ مجاز کا

اور صوفی اس تشابہ مین گرفتار ہو کر مجاز کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے،

صوفی نے جس کو شاہدِ مطلق سمجھ لیا
ایک پرتوِ لطیف تھا حسنِ مجاز کا

دل کی آنکھ یا چشمِ بصیرت تو انوارِ جمال کے گنجینہ کو سمیٹ لیتی ہے، لیکن مادی آنکھون کی محدود نظر اس کے احاطہ سے قاصر ہے، اس لیے طالبِ دیدار التجا کرتا ہے،

دل ہے گنجینۂ انوار نگاہین محدود
کاش اس کل کا ہر اک جزو پریشان ہو جائے

لیکن مشکل یہ ہے کہ حسنِ حقیقت کے قیدِ تعین مین آنے کے بعد نظر تعینات و تشخصات مین الجھکر رہجاتی ہے اس لیے طالب اس پردۂ تعین کو بھی ہٹانا چاہتا ہے،

پھونکدے قیدِ تعین کو بھی اے برقِ جمال
دل ہے آزاد نگاہین مگر آزاد نہین،

لیکن پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ حسن حقیقت جیسی شے تعینات و تشخصات کی قید مین آہی نہین سکتی کہ سمندر کوزہ مین نہین سماسکتا، آفتاب کی روشنی مٹھی مین نہین سمیٹی جاسکتی ہے، اس لیے کہتا ہے کہ تعینات کی قید صرف اوہام کا فریب ہے،

حسن اور قید تعین یہ خیال خام ہے — بے خبر یہ سب فریب جلوۂ اوہام ہے

اس اذعان و یقین کے بعد پھر وہ اپنی ہمت سے خطاب کرتا ہے،

یہ سب جو حسن حقیقت پہ ہین حجاب اٹھا — نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا

یون بڑھے پائے طلب حسن قدم کی جانب — ایک ہی جست مین طے عالم امکان ہوجائے

وحدت فی الکثرت اور کثرت فی الوحدت یا وحدۃ الوجود یعنی تمام کائنات عالم ایک ہی اصل کی فرع ایک ہی آفتاب کا پرتو اور ایک ہی تصویر کا مرقع ہے،

پرتو حسن ازل کی اُف یہ نقش آرائیان — بن گئے کتنے مرقعے ایک ہی تصویر مین

کثرت و اختلاف مین وحدت ربط باطنی — اف یہ کرشمہ سازیان تیری نگاہ ناز کی

آخری شعر مذاہب عالم کے اصولی اتحاد اور فروعی اختلافات کی مصوری بھی کرتا ہے،

تمام کائنات صرف اسی آفتاب حقیقت کا سایہ ہے، اور اس کی گردش کے ساتھ سایہ بھی گردش کرتا رہتا ہے،

عالم کا تلون کیا ہستی کا تعین کیا — تو خود جو خرامان ہو سایہ بھی خرامان ہے

جگر کا عام رنگ اوپر کے اشعار کا تعلق جگر کی شاعری کے منزہ عن المادہ حصہ سے تھا، جہان ہر عامی کی نظر نہین پہنچ سکتی، اور اس سے لطف اٹھانے والے صرف مخصوص اہل دل ہین، باقی عام دنیا دارون کے لیے اس عالم آب و گل کی روئداد عشق زیادہ پر لطف ہے، جگر جب اس رنگ مین کہتا ہے تو اپنے بیان کی ندرت سے اس مین بھی ایک خاص لطف اور انوکھا پن پیدا کر دیتا ہے، اس مین ایک طرف دل کی گرمی

کا پورا سامان موجود ہے، اور دوسری طرف ابتذال اور سفاہت سے دامن بچا ہوا ہے، غرض اس پامال اور شاہراہ عام مین بھی اس نے اپنا راستہ الگ نکالا ہے،

محبوب کا عتاب عاشق کے لیے ایک جانگسل مصیبت ہے، لیکن جگر کی نگاہ دل اس مین بھی کرم کا سامان تلاش کر لیتی ہے،

نگاہ دل بھی یکایک اسے سمجھ نہ سکی — وہ ہر کرم جو پس پردۂ عتاب ہوا

غالب نے کہا تھا:-

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

جگر بھی کسی قدر ترمیم کے ساتھ قریب قریب اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے،

جذبۂ شوق کامیاب ہوا — آج مجھ سے انھین حجاب ہوا

"حجاب" جذبۂ شوق کی کامیابی کا کتنا سچا اور کتنا پر لطف ثبوت ہے،

آشوب عشق مین دل پر کبھی اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور کبھی سکون ہو جاتا ہے لیکن جگر کا حرمان نصیب دل سکون سے ہمیشہ محروم رہا، اس لیے کہ سکون ہوتے ہی اضطراب دل بنگیا جو اضطراب کا اصل سبب ہے، گویا اضطراب نے صرف شکل بدل دی،

ٹھہرا جہان یہ جسم مین دل بنکے رہ گیا — دیکھے کوئی سکون مرے اضطراب کا

ناظرین نے معشوق پر تصدق اور نچھاور کی بہت سی سوغاتین ملاحظہ کی ہونگی، لیکن جگر کے صدقہ کی لطافت اور کیفیت ملاحظہ ہو،

سب انھی پہ ہے تصدق وہ سامنے تو آئین — اشکون کی آرزوئین آنکھون کی التجائین

"نہ زبان خاموشی" عرض شوق کی بہت قدیم ترجمان ہے لیکن جگر کے بیان کی ندرت دیکھئے،

دیکھنا بیخودئ شوق کا اعجاز سکوت — کہہ رہا ہون وہ فسانہ جو مجھے یاد نہین،

اس سے بھی لطیف اور پرکیف پیرایہ ملاحظہ ہو،

میری نگاہ وشوق ہے اور داستانِ عاشقی
ان کی نگاہ و لطف ہے اور کشفِ رازِ دلبری

"نگاہِ لطف" اور "کشفِ رازِ دلبری" نے شعر مین کتنا بانکپن پیدا کر دیا ہے، اس خاموش ترجمان کا مقابل دیکھئے،

جب ملی آنکھ نگاہون نے کچھ ارشاد کیا
مہربان ہم پہ رہی چشم سخن گو ان کی

"چشمِ سخن گو" اور نگاہون کے ارشاد نے عجب لطف پیدا کر دیا ہے،

نگاہِ ناز کا یہی رمز حاصلِ عاشقی ہے اس کے بعد پھر دنیا مین کس چیز کی ضرورت باقی رہجاتی ہے؛

دیکھ چکا ہون مین بھی "کچھ" انکی نگاہِ ناز مین
درد بھی ساتھ چھوڑ دے روح بھی تن سے ہو جدا

"کچھ" کے مجمل لفظ مین کسقدر وسیع معنی پنہان ہین،

یہ بہت پامال تخیل ہے کہ ناصحون کی ملامت حسن سے ان کی بیخبری کا نتیجہ ہے کسی پرانے استاد کا شعر ہے

خلل دماغ مین تیرے ہے پارسائی کا
دکھاؤنگا تجھے زاہد اس آفت جان کو

دیکھئے جگر اپنے بیان کی ندرت سے اس پامال تخیل کو کتنا بلند اور پاکیزہ بنا دیتے ہین کہ اسکی صورت نہین پہچانی جاسکتی،

نقاب الٹ دو بدل دو فضا زمانے کی
ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانہ کی

یہ بھی ایک پامال تخیل ہے کہ حسن کی بقا عشق سے ہے عشق کے مٹنے سے حسن کا کوئی نام لیوا باقی نہین رہجاتا، سب سے پہلے حسرت نے اسے پاکیزہ الفاظ مین پیش کیا ہے،

فیصلہ بس مری تقدیر کا آسان نہ ہوا
مین جو مٹتا ہون تو مٹتا ہو ترے عشق کا نام

جگر نے اس کو اور زیادہ بلند اور ستھرا بنا دیا،

ترے جلوہ جلوہ کی ہے بقا مرے شوق نام بنام سے
مجھے یون نہ خاک مین تو ملا مین اگرچہ ہون ترا نقش پا

ایسے عالی ظرف مشتاق کم نکلینگے جن کی زبان ستمِ یار کے شکوہ سے آلودہ نہ ہوئی ہو، جگر کی عالی ظرفی دیکھئے کہ وہ نہ صرف شکایتِ ستم سے زبان آلودہ نہین کرتا بلکہ "ستم خاص" کی تمنا کرتا ہے،

جن پہ تیرے ستم خاص کا احسان ہونگے
نہین معلوم وہ کس طرح کے انسان ہونگے

عرضِ تمنا رعنائی خیال کی رسوائی ہے،

ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے
رعنائیِ خیال کو رسوا نہ کیجئے

عشق کو افسانۂ بزم و انجمن بنانا عشاق کا قدیم شیوہ ہے لیکن جگر زبان پر مطلوب کا ذکر بھی لانا احترام حسن کے منافی سمجھتا ہے،

پھر زبان بے ادب پر ذکرِ یار آہی گیا
ہان سزا دے اے خدائے عشق توفیقِ غم

خدائے عشق اور توفیقِ غم سے طلبِ سزا نے شعر کو اور زیادہ بلند کر دیا ہے،

عشق پر حسن کی نظر ترحم آدابِ عشق کے خلاف نہین ہے بلکہ عشاق کی عین تمنا یہی ہوتی ہے لیکن جگر کے عشق کی بلندی دیکھئے کہ وہ اس ننگ کو بھی گوارا نہین کرتا اور یار کی "نظر رحم" کو دیکھکر غیرت سے التجا کرتا ہے؛

اب سمجھتی ہین وہ نظرین رحم کے قابل مجھے
پھونکدے اے غیرتِ سوزِ محبت پھونکدے

محبت لازوال اور جذب محبت،

یہی اک نقش اول ہے یہی اک نقش ثانی ہے
محبت ابتدا سے انتہا تک غیر فانی ہے

ہم التجا جو نہ کرتے وہ التجا کرتے
محبت اصل حقیقت ہے اسکو کیا کرتے

عاشقی خود اپنا اعلان ہے،

دل سے بادل اٹھتے ہین آنکھ سے برستی ہے
چھپکے رہ نہین سکتی عاشقی وہ مستی ہے

لغزشِ مستانہ وار کے اثرات،

قربان تیری لغزشِ مستانہ وار کے
رگ رگ مین آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی

(باقی)

خسرو باغ الہ آباد،

از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، مولفِ "حیاتِ جلیل" الہ آباد،

(۲)

ہندوستان کی بغاوت ۵۷ء کے زمانہ میں بھی اربابِ سیاست کی نگاہین خسرو باغ کی طرف لگی ہوئی تھین، کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے، "مسٹر اٹیل اور اون کے رفقائے قلم کے بقول "خسرو باغ اگر پونے تین سو برس پیشتر ایک بغاوت کیش و سرگشتہ شاہزادہ کا مامن و مسکن تھا، تو ۱۸۵۷ء میں بھی اُس نے ایک شوریدہ سر فتنہ گر کو پناہ دی تھی،[۱]

یہ شوریدہ سر فتنہ گر" مولوی لیاقت علی باشندہ مہہ گاؤن[۱] پرگنہ چایل ضلع الہ آباد ہین، جنکے تقدس و اتقا کا شہرہ دُور دُور تھا، بغاوت کے شروع ہی سے ضلع الہ آباد کے اُس علاقہ مین جو مابین دوآب گنگ و جمن واقع ہے ان کا بڑا اثر تھا، وہان کے آشفتہ مزاج زمینداروں نے اونکو اپنا پیشوا بنایا، وہ بڑی آن بان اور سردارانہ تزک و احتشام سے کوچ کرکے الہ آباد آئے بادشاہ دہلی کی فرمانروائی اور حکومت کا اعلان فرمایا، گورنر الہ آباد کی حیثیت سے اپنا جھنڈا بلند کیا، خسرو باغ مین قیام اختیار کیا یہین سے تمام احکام صادر ہوتے تھے،

وسط جون مین مولوی لیاقت علی او اون کے متبعین اور پیرووں کی جماعت نے افواجِ انگریزی سے شکست کھائی، اور بھاگ کھڑے ہوئے، مولوی صاحب کچھ زمانہ تک مفرور اور روپوش رہے، ۱۸۷۲ء مین الہ آباد مین گرفتار ہوئے، اور مدۃ العمر محبوس رہنے کیلئے بعبور دریائے شور بھیج دئے گئے،

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیٹیر سابق صفحہ ۱۶۵، ۱۶۹، و جدید صفحہ ۱۸۱، [۱] مہہ گاؤن الہ آباد سے چودہ میل پچھم بڑی سڑک پختہ پر واقع ہے،

قانون کی نگاہ مین اور سرکاری طور پر ان کے جرائم ضرور ناقابلِ درگذر اور نظمِ مملکت کے لحاظ سے شدید مواخذہ و بازپرس کے مستوجب رہے ہون گے، مگر مین نے بعض سن رسیدہ ممتاز اور قدیم مسلمانون کو ان کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے ہوئے سنا ہے، ان کے ذکر مین خود گزیٹیرون کا لہجہ بھی چندان تلخ و درشت نہین ہے،[۱]

خسرو باغ[۲]، الہ آباد کے ایسٹ انڈیا ریلوے اسٹیشن (جنکشن) سے ایک تیر پرتاب یا انگریزی اصطلاح مین ایک "اسٹون (پتھر) پھینکنے" کے فاصلہ پر شہر سے ایک میل واقع ہے، باغ نہایت وسیع طویل و عریض ہے، اسکی وسعت اور گنجایش اُس دور کے بادشاہی باغات کے مساوی اور شایانِ شان رکھی گئی تھی،

خسرو باغ کے متعلق تفصیلات و جزئیات کے بیان کرنے سے پہلے فنِ نخلبندی و باغبانی کی نسبت اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ کسی وقت یہ ایک مستقل ہنر تھا، ہندوستان مین اس کا شوق مسلمان ایران اور وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لائے تھے، مغل سلاطین اور اون کے ارکانِ دولت نے خاصکر اپنے ذوق و رنگِ طبیعت، ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج کے موافق و مناسب تغیرات کرکے اوسکو خوب ترقی دی، سرپرستی و پرورش فرمائی، دلکش اختراعین اور دلآویز اصلاحین کین، حتی کہ اپنا خانہ زاد ہندوستان پرور بنالیا، ان کے قصور و ایوان کے ساتھ پائین باغ، خانہ باغ کم از کم چمن صحن کا ہونا لازم و ملزوم تھا، تغلق فیروز جس نے فی الجملہ امن و عافیت کے ساتھ بسر کی، اور سینتیس سال فرمانروا رہا اپنے مستقر سلطنت مین جو دہلی سے زیادہ فیض آباد کے نام سے اس وقت شہرت رکھتا تھا، سو باغ نصب کرائے تھے، زمانہ کا زبردست و تباہکار ہاتھ ان سب کو مٹا چکا ہے اور آج ایک کا نشان بھی نہین بتاتا،

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان پڑا ہین ‏ ‏ دل مین ہین داغ حسرت قصے زبان پر ہین

بابر نے جب ہندوستان فتح کیا، تو دہلی چھوڑ کر آگرہ کو مرکزِ حکومت بنایا، اپنے دل پسند نو احداث باغ "باغِ وفا" واقع کابل کی یاد تازہ تھی، اوس کی نقل یہان بھی کرنی چاہی، "چار باغ" "یا باغِ گل افشان" کی بنیاد ڈالی،[۳] اپنے مالوف وطن کے

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۵۲، نیز گزیٹیر سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۲، [۲] تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بینی پرشاد صفحہ ۲۴۴، [۳] اسی باغ کے ایک حصہ مین جو "جوہری" کہلاتا ہے، کابل جانے سے پیشتر بابر کا تابوت دفن ہو رہا تھا، تاریخ آگرہ از منشی معین الدین مرحوم صفحہ ۱۴۴،

سوا، بخارا اور بدخشان اور بہت سے پہاڑی مقامات سے پھل پھول کے درخت اور بیج منگائے، نے شکر کی پودہ اُتار نگرے اور شفتالو لگائے، مگر کنکریلی زمین اور ناہموار سطح نے شکست دی، کوشش رائگان گئی، بہادر ترک پھر بھی ہمت نے ہارا، جمنا کے پر فضا کنارے، نیلگون پانی کی موجون سے دُھلنے والی ہواؤن سے معمور مقام پر "آرام باغ"[1] آباد کیا، جو باوجود چار سو برس گذر جانے پر "رام باغ" کے نام سے اوس کی یادگار آج بھی باقی ہے، اور اوس مُلک مین مغلون کا سب سے پرانا بارونق باغ مانا جاتا ہے، فدائی خان کا لگایا ہوا پنجور کا باغ شملہ کے راستے (پٹیالہ کے علاقہ) مین موجود ہے، یہ امیر اورنگ زیب عالمگیر کا برادر رضاعی اور لاہور کی شاہی مسجد کا مہتمم تعمیر تھا، اس باغ کے نصب کرتے وقت اس کو جو دشواریان پیش آئین، وہ قدرتی موانع سے زیادہ انسانون کے ہاتھ سے تھین، راجاؤن نے ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ مخالفت کی، ڈھونڈ ڈھونڈ کر جسمانی امراض مین مبتلا کریہہ پیکر باغبان اور کشاورز فراہم کئے، جنکو دیکھ کر محل کی بیگمین اور کنیزین سہم گئین، پھر آب و ہوا کی ردائت و خرابی کے عجیب و غریب مہیب قصے اور بے بنیاد افسانے سنا سنا کر دلبرداشتہ و خوف زدہ بنا دیا، یہ نمونۂ جنت باغ نزہت و لطافت کا ایک دھندلا سا خاکہ یا ایک بگڑا سا نقشہ رہ گیا، ہر سیلانی وہان جاتے حسرت و عبرت کے ساتھ دیکھتے اور یہ کہکر چلے آتے ہین،

سر منزلِ عیش تھی گذر راہ شاہون کے لئے | خواب گاہ ناز تھی تو کج کلاہون کے لئے
آج ہین تیری فضا مین سرد آہون کے لئے

ہندوستان کے باغات مین خواہ وہ مسلمان کے لگائے ہون، یا اون کے حلقہ بگوش راجہ مہاراجاؤن کے، چند خصوصیات و جزئیات پائی جاتی ہین، جاننے والے اون کو بنیادی اصول قرار دیتے ہین، اولاً ایک مستحکم چار دیواری سے باغ کا محصور ہونا، خواہ مربع ہو خواہ مستطیل، دوسرے آبیاری و آبپاشی کا خود ساختہ و خود اختیاری، دریا انتظام، باغ کے اندر بہتی ہوئی نہرون اور دیگر مصنوعی و غیر قدرتی ذرایع سے کیا جانا، ان کی تفصیل یون کی جاسکتی ہے، کہ باغ کا پانی کہین درختون مین سے ہو کر کہین آبشارون کی شکل مین گذرتا ہے کہین صاف شفاف

[1] منشی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ آرام باغ جہانگیر نے نورجہان کیلئے نصب کرایا تھا، کابل کے باغ نور افشان کی نقل ہے، صفحہ مذکور،

چادرون مین لپٹا ہوا آتا اور وسیع و عریض حوضون مین گرتا ہے، تزک سے پایا جاتا ہے، کہ شہنشاہ بابر پانی کے بارے مین بڑی کاوش اور توجہ رکھتا تھا، جگہ کا انتخاب اوس کا مخصوص و اولین نقطۂ نظر تھا، اچھے سے اچھا اور بہتر سے بہتر موقع تلاش کر کے اپنی پسند و اطمینان کے مطابق پانی کی بافراط بہم رسانی کا بندوبست کر لیتا تب کام شروع کرنے دیتا، اسی طرح شاہجہان نے جب اپنی استراحت دائمی کے لئے اسی سرزمین آگرہ کو پسند کیا، مہتاب باغ کی نیاد ڈالی، تو پانی کا انتظام مقدم سمجھا، کنوون کا ایک سلسلہ بنا ڈالا، اس کے حوضون فوارون کے مقامات، نالیون اور نہرون کے ساتھ ساتھ نو بڑے بڑے کنوین اب تک قائم و برقرار ہین[1]، ان دو کے بعد تیسرا رنگ و بو کے تناسب اور لطیف امتزاج، حسین و جمیل ترتیب اور ترکیبات کے ساتھ اون کی آراستگی، درختون کے لگانے مین یہ امر مدنظر رہتا تھا کہ طرفۃ العین مین باغ کی ہیئت و حیثیت مجموعی یا اوس کا نقشہ نگاہ کے سامنے آجائے باغ کے تمام حصے اور ٹکڑے مربع اور بجائے خود مکمل ہوتے تھے، گرداگرد نہرین روان ہوتین، ہر قسم کے پھلون کے درخت بکثرت ہوتے تھے، بالخصوص ایوان کے قریب بہشت برین کی نقل یا قدرت مطلق کی تبعیت و تقلید مین ان نمونۂ بہشت باغون کے حصے بھی آٹھ رکھے جاتے تھے، یہ تعداد اگر کسی وجہ سے پوری نہ ہوسکتی، تو بھی مساوی و یکسان حصون مین تقسیم کیا جانا لابد تھا،

باغ کے وسط مین ورنہ کسی دوسرے موزون محل پر ایک نفیس و خوبصورت بارہ دری یا کوشک کا تعمیر کیا جانا آرائش و آسایش کے لئے ناگزیر تھا، برسات مین اور گرمیون مین بالخصوص بیگمات و شہزادیان، سلاطین اور شاہزادے اس بارہ دری مین یا باغ کے سایہ دار ٹھنڈے مرمرین چبوترون پر استراحت فرماتے، گرمی کی تپش و کلفت دور کرتے، نہرون کا خوشگوار اور شیرین پانی کوثر و تسنیم کی طرح دنیاوی و فانی حوضون سے نشاط انگیزیون کا ضامن ہوتا، سیل آب اور فرحت بخش تموج لطف اندوز کرتا، فتح مند جنگ آزما بڑے بڑے معرکے جھیل کر سفر و تعب اور تحمل شاق و مصائب کے بعد سکون و راحت کا ٹھکانا یہان پاتا، سرو و شمشاد کے درخت اپنے نیچے خوشنما زمردین کیاریون مین تخلف

[1] تاریخ آگرہ وغیرہ از منشی معین الدین احمد صفحہ ۱۱

قسم کے پھولون اور خوشبو غنچون کو اکٹھا کر کے ایک فرش رنگ و بو بچھا دیتے، قدرت کا رنگ و نور جلوہ فرما ہو جاتا، نکہت بیز و کیف آور نسیم و صبا سے تھکا ہوا دماغ معطر و تازہ ہو جاتا، سبزہ و گل کے تختے نگاہ کو شاداب کر دیتے،

مست کر دیتی ہے مجکو فصل گل مین بوئے گل وجد مین لاتی ہے حالت سبزہ و اشجار کی

بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولون کی بو جس پہ سو جانین فدا ہون طبلہ عطار کی

باغون کے لگانے مین جہانگیر نے اپنے پردادا مرزا بابر سے کچھ کم سلیقہ و ذوق نہین پایا تھا، بلکہ اطمینان اور امن و امان نصیب ہونے سے اوس نے دل کھول کر اپنا شوق پورا کیا، کابل اور کشمیر کے بعض سرسبز و مسطح میدان اسکے لئے موزون اور قدرتی طور پر مناسب تھے، جنکو اوس نے سراپا بہار یا گلزار ارم بنا دیا تھا،[ا] وہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) مین کابل گیا تھا، پردادا کی قبر کی زیارت کی، حکم دیا کہ بڑا لمبا چوڑا باغ شہر آرا باغ کے متصل نصب کیا جائے، اور جہان آرا باغ نام رکھا جائے، دریائے کابل کاٹ کر نہر نکالی جائے، اور اس باغ مین ہو کر گذرے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،

گرد دامن بن گیا صحرا کا دامان دیکھ کر پاؤن پھیلائے ہین ہم نے بھی بیابان دیکھ کر

دور کیون جائیے، اپنے ہی صوبہ (متحدہ) مین ہندوستان کے پرانے پایۂ تخت آگرہ کو چلئے، اس گئی گذری حالت مین بھی بہت سے باغات یا مٹے ہوؤن کے نشانات و آثار ملین گے (۱) اچانک باغ جو چار باغ سے ایک میل کے قریب جمنا کے ادھر ہے، مشہور ہے کہ بابر کے عہد مین لگایا گیا تھا (۲) باغ خان عالم (مرزا برخوردار) جو اکبر و جہانگیر کا معتمد اور مقرب امیر تھا، (۳) اعتماد الدولہ کے روضہ کا تین سو برس سے زائد ہوئے، نور جہان نے لگایا تھا، (۴) مہتاب باغ جسکو شاہجہان نے اپنی پس مرگ راحت کے لئے تجویز اور بنا کیا تھا، (۵) بہشت آباد سکندرہ کو دیکھئے جس کا باغ اور صحن پیش باغ جو تارون سے گھرا ہوا اور محفوظ ہے (اس قسم کے احاطے اور اضافے پرانی دفتری اصطلاح مین خاربندی کہلاتے تھے،) محکمۂ باغات کی تازہ ترین سرکاری رپورٹون[۲] مین اوس کا رقبہ

[ا] تاریخ جہانگیر از گلیڈون صفحہ ۲۹، [۲] صوبجات متحدہ کے سرکاری باغات کی رپورٹ بابتہ ۱۹۲۹-۳۰ء صفحہ ۱۱،

۱۰۱۶۲۵۰ ایکڑ لکھا ہے، مسٹر ڈکمن انجینیر[۳] ۱۲۳ ایکڑ کہتے،[۴] کرنیل ہیویل ۱۵۰ ایکڑ بتاتے ہین، اور اوسکی سنگین دیوارون کو چوبیس فٹ[۲۴] بلند، منشی معین الدین باغ کی وسعت ڈیڑھ سو ایکڑ اور اس کے جنوبی پھاٹک کی رفعت شرفت سے زائد تحریر فرماتے ہین،[۵] اسمین شک نہین کہ اس کی تکمیل کی نوبت ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) مین جہانگیر کے ہاتھون پہنچی،[۶] اور اوس نے ایک مرتبہ اس کا پورا نقشہ بھی بدل دیا تھا، مگر در اصل اکبر نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی مین تعمیر کرانا شروع کیا تھا،[۷] بے موقع سہی تاہم یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ تین ہزار یا زیادہ آدمی دس سال تک روزانہ لگے رہتے،[۸] پندرہ لاکھ سے زیادہ صرف ہوا،[۹] یہ عمارت ہندوؤن کے طرز تعمیر سے مشابہ ہے، اور اس وسیع و عریض کشور کی تمام تعمیرات مین ہندوستانی وضع و شان کی نمود کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر مانی جاتی ہے، جہان گرد سیاح مسٹر سیورڈ کا بیان ہے، کہ یہ یادگار تنہا چیپس (CHEOPS) کے صندید سے کہین زیادہ قابل تحسین ہے،[۱۰]

مقبرہ اللہ اکبر! کیا عظیم الشان ہے آستانہ پر جلالت آج تک دربان ہے

افسوس ہے کہ ۱۶۹۱ء مین جاٹون کی وحشیانہ دست برد سے یہ بھی نہ بچی،[۱۱] اور اس کا احترام اور پاکی کا لحاظ نہ کیا گیا، اس بارہ مین منوچی صاحب (ترجمہ مسٹر آروین) پنڈت ایشر داس ناگر کی فتوحات عالمگیری کا اپنے نوٹ مین حوالہ دیتے ہین، مگر میرے سچے اور اچھے منوچی! تمہارے یقین دلانے سے کون ہندوستانی باور کرے گا، کہ واقعی جاٹون نے اکبر کی ہڈیان باہر نکال کر پھینک نہین، پھونک دی تھین، وہ جیسے جی ہندوؤن کے اکثر شعائر و رسوم کو مانتا، اور ان کا ادب کرتا تھا، اگر تمہاری روایت سچ ہے تو مان لیجئے، کہ اوسکی رہی سہی بعد مرگ کی آرزو بھی جاٹون کی بدولت پوری ہو گئی، یہ صحیح ہے اور ڈاکٹر فوہرر بھی اپنی کتاب[۱۲] "آثار قدیمہ اور کتبات" مین تسلیم کرتے ہین، کہ مقبرہ کا

---

[۱] آگرہ ہینڈ بک، ص ۲۱۵، [۲] آگرہ مین تین دن ص ۱۸۲، [۳] تاریخ تاج و صنادید آگرہ ص ۱۲۰، [۴] تاریخ جہانگیر از پروفیسر بینی پرشاد، صفحہ ۷، [۵] تاریخ تاج از منشی معین الدین ص ۱۲۸، [۶] مسٹر ڈبلیو ایچ سیورڈ کا دنیا کے گرد سفر صفحات ۴۳۴، ۴۳۵، [۷] تاریخ جہانگیر صفحہ ۷، [۸] تاریخ تاج، صفحہ ۳۱، [۹] تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈہ صفحہ ۲، [۱۰] دنیا کے گرد سفر صفحہ ۴۳۵، [۱۱] تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بینی پرشاد صفحہ ۷، [۱۲] ایشور داس مورخ صفحہ ۱۳۲، [۱۳] منوچی مترجمہ آروین صاحب جلد اول صفحہ ۱۵۹ و جلد دوم صفحہ ۳۲۰، [۱۴] ممالک مغربی و شمالی و اودھ صفحہ ۷۶

بالائی حصہ کھلا ہوا ہے، آسمان کا نیلگون چتر اوپر، اس نے پہلے اس پر کمخواب اور سونے چاندی کا زرتار و زرکار شامیانہ سایہ گستر رہتا تھا، یہ چبوترے پر آویزان کیا جاتا، ارد گرد کے تمام شہ نشینون اور صحنچیون مین اسی شان و اہتمام سے قیمتی پردے اور چلمنین ہر طرف لٹکی رہتی تھین، ان کو اور بہت سی قیمتی اشیا و اسباب و زیورات کے ساتھ راجہ جواہر سنگھ جاٹ اڑا لے گیا، اسی جواہر سنگھ نے سنگ مرمر کے تختے اور منقوشات اکھاڑ کر ڈیگ کو بھیج دئے تھے، سن اے زبردست راجہ! اس ایک بیکس کی لحد سے یہ صدا آتی ہے،

یاد کر میری محبت کو، مجھے یاد نہ کر،

بازآمدم۔ آئیے اور باقی آس پاس کے شاہی وقت کے بعض باغات اور مقبرون کی اراضی و وسعت[1] کو بھی ملاحظہ فرمائیے،

آگرہ کا	رام باغ	بیس ۲۰ ایکڑ
"	اعتماد الدولہ	۷٫۳۳ ایکڑ
"	تاج کا باغ اور اسکا مربع	اکیس ۲۱ ایکڑ

اس کے بعد الہ آباد کو لیجئے، جس کے الفریڈ پارک نے حسب اندراج ڈسٹرکٹ گزیٹیر[2] ماہ ۱۳۳ ایکڑ اور ایک روڈ ۳۹ پول اور بروے رپورٹ سالانہ[3] ۱۸۸٫۲۵ ایکڑ رقبہ پایا ہے، مگر یہ بعد غدر کی عالی ہمتی اور وسیع حوصلگی تھی، یا حقیقتاً اُن بدنصیب مسلمانون کی یادگار جنھون نے ناعاقبت اندیشی سے سرکار سے بغاوت کی، از راستہ کہ بر باست اسکی پاداش مین اپنے علاقہ و جائداد سے محروم ہوئے گاؤن ویران کر دئے گئے، گھرون پر گدہے کا ہل چلگیا، البتہ دس بارہ برس بعد شاہزادۂ عالی تبار ڈیوک آف ایڈنبرا کی بدولت ملنے والون کو یہ فخر کرنے کا موقع ملا،

نہ ہو قناعت شعار گلچین اسی سے قائم ہے شان تیری

وفور گل ہے اگر چمن مین، تو اور دامن دراز ہو جا

---

[1] رپورٹ انتظام باغات سرکاری بابۃ ۱۹۲۹-۳۰ء، صفحہ ۱۰، [2] گزیٹیر سابق مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۱۶ نیز نامخبل ریلوے، صفحہ ۲۱۵

[3] رپورٹ سالانہ باغات سرکاری بابۃ ۱۹۲۹-۳۰ء، صفحہ ۹، [4] گزیٹیر سابق مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۴۷

یہ تو زبانی اور مقامی روایات تھین، سرکاری گزیٹیر[1] کا بیان ہے کہ جب ڈیوک نے اپنے قدمون سے سرزمین پراگ کو عزت بخشی تو اس مبارک واقعہ کی یادگار مین ۱۸۷۰ء مین اس پارک کی بنیاد ڈالی گئی، پہلے یہان چھاؤنی تھی، مگر اوسکی آب و ہوا ناقص اور خراب رہتی تھی،

یہ بھی ایک قابلِ انکار حقیقت ہے کہ جس سال ایک حقیر متنفس یعنی راقم سطور نے اس عالمِ آب و گل مین قدم رکھا تھا، اسی سال اُس نزہت گاہ نے صفحۂ ہستی کو اپنے ظہور سے رونق بخشی تھی،

خسرو باغ کی بلند اور چوڑی چکلی مضبوط چار دیواری جو اس بڑے اور فراخ مربع[2] رقبہ کو گھیرے ہوے ہے، جہانگیر کے حوصلہ اور سلیقۂ تعمیر کی یادگار ہے، باغ کے ہر طرف پختہ سڑک کافی وسیع موجود ہے، مقامی روایات اور شیبل کی تحریر[3] سے پایا جاتا ہے، کہ عظیم و عریض سنگین احاطہ عہد شاہزادگی مین جہانگیر کے حکم سے قلعہ کے باقی ماندہ[4] مصالح سنگ و خشت اور چونے سے بنا تھا، مسلمان مورخ اس بارہ مین قطعاً خاموش ہین، ایک باغی شہزادہ کی اگرچہ تقدیرات ایزدی سے وہ بعد کو شہنشاہ ہو گیا تھا اس کے عالمِ شباب کی سرمستی، شوریدہ سری، اور سرکشی کی کسی مستقل یادگار کا اپنی کتاب مین ذکر کرنا زمانہ شناس اہل قلم کی شان کے منافی،

یہ ڈر لوگون پہ غالب ہے کہ حالت میری ظالم سے

سُنی کا ذکر کیا آنکھون کی دیکھی بھی نہین کہتے،

اُس زمانہ کے سیاحون[5] کے نزدیک بھی یہ جگہ محض آنے جانے، اور گذر جانے کی چیز رہی ہوگی، یہ بھی ممکن ہے کہ سراپردگیان عصمت و عفاف سلطانی کی اقامت کی وجہ سے بے چارون کا گذر بھی یہان نہ ہوتا ہو،[6]

---

[1] گزیٹیر سابق مطبوعہ ۱۸۸۴ء، ص ۱۷۷، [2] ڈسٹرکٹ گزیٹیر قدیم، ص ۶۵، [3] ڈاکٹر فوہرر کی تاریخ یادگارہائے قدیمہ اور انکے کتبات، جلد دوم، صفحہ ۱۳۰، [4] مفتاح التواریخ، ص ۲۳۵، [5] مفتاح التواریخ و تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بینی پرشاد صفحہ ۲۴۴، دیریاگ یا الہ آباد کی ہینڈبک، مرتبہ ماڈرن ریویو آفس صفحہ ۵،

ایک مشہور روایت یہ ہے کہ خسرو باغ سے قلعہ تک اندر اندر جانے آنے کیلئے زمین دوز راستہ بنا ہوا تھا، یہ روایت خواہ کیسی ہی مقبولِ عام اور دیرینہ کیوں نہ ہو، مگر اوس کی تصدیق نہ تو کسی تحریر سے ہوتی ہے، نہ پیرانِ کہن سال سے، نہ اوس کے کوئی نشان و آثار نظر آتے ہیں، ممکن ہے کہ آگرہ و دہلی کی بعض عمارات کی طرح یہاں کے متعلق افواہ کی بھی کچھ بنیاد یا اصلیت رہی ہو، مگر مجھے تو خسرو باغ کے اندر اور باہر ہر طرف گھوم پھر کر دیکھنے اور غور و توجہ کرنے سے کسی سرنگ یا اس کے دہانے کا پتہ نہیں چلا،

بحالت موجودہ یہ فرح بخش و مسرت خیز باغ ایشیا اور یورپ دونوں کے کمالِ فن اور باغبانی و چمن آرائی کا نفیس اور ستھرا نمونہ ہے، ایک طرف لہلہاتے ہوئے شاداب و سرسبز قطعات بابر اور جہانگیر کی تختہ بندی اور گلکاریوں کی یاد دلاتے ہیں، دوسری طرف صناعانِ فرنگ کی ہنرمندی اور طرزِ جدید کی نظر فریب تختہ بندی و سبزہ کاری و مرغزاری کے نمونے پیش کرتے ہیں، ان سب پر مستزاد واٹرورکس کے لمبے چوڑے خوش قطع تالاب ہیں،

زیرک و فرزانہ سیاح جو ابھی قلعۂ معلّی سے، وہ اکبری ایوان اور جہانگیری قصر جن میں تین سو سال کے قریب تیمور صاحب قران کی آل اولاد اقامت پذیر اور راحت گزین رہی تھی دیکھ کر آ رہا ہے، انسانی فطرت کے اقتضا، اور کارگاہِ عالم کے مشاہدہ و تجربے اوس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے، وہ بے اختیار پوچھ اٹھتا ہے:

اے اہلِ شہر! مدفنِ این دردمان کجاست   خاکم بفرق، خوابگہِ خسروان کجاست؟

غریب الدیار کچھ جواب پاتا، اور اسی پتہ پر چل دیتا ہے، وہ قلعہ یا پورب کی سمت سے آ رہا ہے، شہر کے باہر پرانے قبرستانوں، پھر شہر کے کچھ قدیم اور مقابلۃً کم آباد و بے رونق محلوں سے گذرتا ہے، پھر شاندار و فلک بوس محلات، اور لکھ پتی مہاجنوں کی کوٹھیوں اور دولت مند تاجروں کی دو رویہ دکانات، سیٹھ ساہوکاروں کے مالا مال ایوانات دیکھتا ہے، بڑی اور خوب وسیع و کشادہ سڑک سے کوتوالی شہر اور متنوع و مختلف امراض اور شکایتوں کے متعدد شفاخانوں کے سامنے سے ہوتا ہوا آخر خلد آباد کے بڑے اور فراخ و کشادہ احاطہ میں داخل ہوتا ہے، جو ایک سو

[1] پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈبک مطبوعہ ماڈرن ریویو آفس صفحہ ۵۔

صدی پیچھے کی کاروباری و منتظم حکمران جماعتوں نے روپیہ کی ضرورت اور آمدنی کے لالچ سے ایک بڑے بازار یا حسب[1] روایت پروفیسر بینی پرشاد مچھلی بازار کی شکل میں منتقل کر دیا ہے، اوس کے دونوں جانب بھاری بھاری پھاٹک موجود ہیں، پچھم والے پھاٹک کا کتبہ خود شاہد[2] ہے کہ اوس کی تعمیر جہانگیر کے حکم سے ہوئی تھی،

بفرمانِ شہنشاہِ جہان گیر   کہ زیبد ملکش از مہ تا بہ ماہی

بنا شد این سرائے آسمان قدر   کہ باد آباد خلد آباد شاہی

آبادیِ شہر کا یہ حصہ خلد آباد، اسی مناسبت سے کہلاتا ہے، چوتھے مصرع (باد آباد خلد آباد شاہی) سے عدد ۱۰۰۵ نکلتے ہیں، اگر گ کے عدد بیس اور اضافہ کر لئے جائیں، جو فنِ تاریخ گوئی میں جائز نہیں تو ۹۹۵ ہو جائینگے، یہی خسرو کا سالِ ولادت ہے، جہانگیر اُس وقت تک نہ شہنشاہ ہوا تھا نہ ملک کا حکمرانِ مطلق تھا، البتہ آگے چل کر باپ سے باغی ہو کر اوس نے تمام شوکت و شانِ[3] ملوکانہ اختیار کر لی تھی، ممکن ہے کہ اسی رعایت سے یہ قطعہ کہا گیا ہو،

دوسرا دروازہ[4] خسرو باغ کے اصلی پھاٹک کے بالکل مقابل ہے؟ جس کا ذکر تحقیقِ مزید کا محتاج ہے،

بشپ ہیبر صاحب نے ۱۸۲۵ء میں اس سرا کو گئی گذری بلکہ گری پڑی حالت میں دیکھا تھا، تاہم اس کی نسبت لکھتے ہیں[5] کہ "یہ ایک بونل (عالیشان) مربع ہے، جس کے چار عمدہ گاتھک وضع کے پھاٹک ہیں، جس کے گرد قلعہ بند دیوار ہے، اور جس کے اندر وارد و صادر کے قیام و راحت کیلئے حجرے بنے ہیں"،

ایک صدی اور گذرنے پر یہ حالت ہے کہ سرا جا بجا گر گئی ہے، زمانہ کی روش بدل جانے اور آمد و رفت کی عارضی ضرورتِ قیام باقی نہ رہنے کی وجہ سے اس فرودگاہِ عوام کا اصلی مقصود مفقود ہو گیا ہے، البتہ میونسپلٹی کے زیرِ اہتمام اس کے وطن میں کھانے پینے کی چیزوں اور موسمی پھلوں اور پیداوار کا ہاٹ لگتا ہے، اس کے وسیع و فراخ

[1] تاریخ جہانگیر ص ۳۴۰، [2] ڈسٹرکٹ گزیٹر قدیم ص ۱۶۶، جدید ص ۲۰۷ [3] اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج از کرنیل میلی سن، ص ۱۲۰، و تاریخ جہانگیر از گلیڈون ص ۹ و گزیٹر جدید صفحہ ۱۶۹، [4] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید صفحہ ۲۰۳ [5] سیاحت نامہ جلد اول صفحہ ۲۴۲،

صحن میں موقع وبے موقع مختلف قسم ووضع کی کچھ خوشنما اور کچھ بدزیب عمارتیں اور دوکانیں بن گئی ہیں، اور بنتی جاتی ہیں، سڑک کا دروازہ پشت کی جانب سادہ اور پرانا ہے، خسرو باغ کی طرف اس وقت کوئی دروازہ نہیں ہے، نہ دیوار ہے، نہ کوئی روک ہے، سرا کا یہ رُخ کھلا ہوا ہے، سڑک رواں ہے، اسی گذرنے والی سڑک کے پورب پچھم دونوں جانب دروازے ہیں، جو خلد آباد کے پھاٹک کہلاتے ہیں، جن کا ذکر ابھی کر چکا ہوں، قطعۂ تاریخ کے صرف تین مصرعے اس وقت کھُلے ہوئے ہیں، چوتھا غائب ہے، غالباً کسی بڑے حاکم کی آمد کے ہنگامے یا کرمی محفل کے وقت درستی کی ضرورت سمجھی گئی، حسنِ اتفاق سے معمولی مرمت کی نوبت بھی پہنچی، لیکن اس طرح کہ اس ٹکڑے پر بدنما استر کرنے میں پورا ایک مصرعہ غائب ہو گیا، حقیقۃً یہ چاروں مصرعے ایک سیدھی لائن میں ایک ٹیڑی لمبے پتھر پر خوشنما نستعلیق میں کھدے ہوئے تھے

ہم دل میں خوش کہ سبزۂ تربت ہرا ہوا وہ اس ادا سے روئے کہ پلکیں بھی نم نہیں

سرا کے وسط میں پہنچتے ہی شمالی جانب خسرو باغ کا بلند بادشاہی پھاٹک سامنے نظر آتا ہے، اس عمارت کا انداز تعمیر، خوش وضعی وخوشنمائی، یورپ کے نامور سیاحوں اور انجینیروں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے،

میں نے دیکھا ہے کہ یہاں پہنچکر صاحب نظر سیاح متحیر ہو جاتا ہے، پھاٹک کی رفعت وعظمت بلندی و شان اوس کو مبہوت بنا دیتی ہے، اب نہ وہ جہانگیر باقی ہے، جو کبھی بلند ارادہ شاہزادہ تھا، جو شاہانہ تمکنت احتشام وجلالت سے الہ آباد میں وقت گذارتا، اور ہندوستان کے تاج وتخت کے خالی ہونے کا انتظار کر رہا تھا، نہ وہ اولو العزم حوصلہ مند خسرو سلطان نظر آتا ہے جو مرتے دم بھی سلطنت اور بادشاہی کا سودا اپنے سر میں لیگیا، اس وقت ہر طرف خاموشی وسکون طاری ہے، لیکن دیکھنے والا اگر لرزہ براندام نہیں ہو جاتا تاہم یہاں کی مجموعی کیفیت سے متأثر ومرعوب ہوتا، اور اوس کے ہر جزو وکل پر بڑی عبرت وحسرت کی نگاہ ڈالتا ہو،

پھاٹک پر پتھر نصب ہے جس سے واضح ہے کہ اس کا مہتمم تعمیر آغا رضا تھا، جو اس عہد کا شاہی معمار تھا،

لے ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید صفحات ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، و پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک صفحہ ۵،

یا حیُّ یا قیُّومُ۔ باہتمام مرید باخلاص آقا رضا مصوّر،

این بنائے عالی صورت اتمام یافت ۱۰۱۰

جدید گزیٹیر کا مؤلف لکھتا ہے کہ اس پھاٹک کا تعمیر کنندہ شاہی معمار آغا رضا کا شاگرد تھا،[1] "مرید باخلاص آقا رضا" کے اور کیا معنی آپ بتا سکتے ہیں؟ مگر فی الواقع یہ ذی العلم کرنیل (نیویل) کی غلطی نہیں بلکہ اُن کے استعداد دفتر کے اہلکار یا بابو کی خوش فہمی ولیاقت ہو گی، جو فارسی کی کتابوں کو پڑھنے اور ان کے ترجمے کے لئے مامور ہوا ہوگا،

آقا رضا عہد اکبری کا ایک باکمال صانع، جہانگیر کا مقبول وہمہ ہنر امیر نامور مہندس (انجینیر) چابکدست مصور ونقاش تھا، اس کے تذکرہ کے لئے ایک مستقل مقالہ درکار ہے،

خسرو باغ کے بیرونی جانب فصیل یا چار دیواری سے ملحق پھاٹک کے دونوں طرف سنگین دوکانیں برابر بنی ہوئی تھیں، جو کسی نہ کسی حال میں اب بھی موجود ہیں، ان کی وضع وساخت سے پایا جاتا ہے کہ باغ کے متعلق یعنی ہمارے خلد آباد کا جزو نہ رہی ہوں گی، یہ دوکانیں یا دوہرے حجرے شہر کی آبادی کے اندر ہونے سے کم وبیش اب تک آباد ہیں، پہلی سی رونق البتہ باقی نہیں، نہ ان میں کوئی اعلیٰ قسم کا سامان تجارت یا عمدہ مال واسباب رکھا جاتا ہے، جائے سکونت کے طور پر مختلف پیشہ وروں کے مصرف میں ہیں اس لئے صفائی اور ستھرائی مفقود ہے،

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۲۰۲.

پھاٹک کی عظیم الرفعت عمارت زیادہ تر معمولی سنگ سُرخ کی ہے، جو ان اطراف مین بآسانی دستیاب ہو جاتا ہے، کہین کہین کچھ تختے نیلے رنگ کے یا خاکی بھی پائے جاتے ہین، مگر ان کی تعداد چندان قابلِ لحاظ نہین۔ عمارت سادہ ہے یعنی ہر قسم کے تکلفات اور نمایش و آرایش سے معرا، نہ اسمین سنگ مرمر کی جدولین ہین، نہ سیاہ پتھر کی تحریرین، نہ منبت کاری ہے نہ پچی سازی، شروع سے باغ تھا، اور باغ ہی رہا، اس لئے شاہی گورستان کا سا اہتمام نہین پایا جاتا،

دروازہ مین داخل ہوتے پر دونون جانب وسیع شہ نشین ملتے ہین قریباً پانچ برس پہلے ان (دونون نعلی دالانون) مین نیچے اوپر دونون طرف پولیس کی چوکی تھی، اب خالی رہتے ہین، بالائی منزل پر یعنی اور بہت سی عمارت بنی ہے کافی جگہ ہے، زنانہ مکانات ہین، دالان ہین، کوٹھریان ہین، کبھی پردگیان حرم سرائے سلطانی ان مین فروکش و راحت گزین ہوتی تھین، پھر حجلہ نشینان نگارخانۂ پولیس کے اعتکاف کے لئے وقف ہوئین، اب وہ صورت بھی باقی نہین، آخر قدم پر بائین ہاتھ کو اوپر کی طرف ایک کمرہ کا سائن بورڈ آگاہ کرتا ہے کہ اس مین آثارِ قدیمہ کے محافظ کا دفتر یعنی آرکیالوجی کی آفیس ہے، جس نے پولیس کو بے دخل کر کے یہ جگہ حاصل کی ہے،

مُسلّم ہے کہ یہ سب تعمیرات جہانگیر کے زمانۂ قیام اور گورنری و ولیعہدی کے دور کی یادگار ہین،

کارزار

(ہفتہ وار)

حضرت ابو الاثر حفیظ جالندھری کی ادارت مین ایک ہفتہ وار پرچہ ماڈل ٹاؤن لاہور سے جاری ہوا ہے جس کے مقاصد مختصر طور پر یہ ہین :-

(۱) تہذیب مغربی کے برخلاف مذہب و مشرقی اخلاق حسنہ کی حمایت (۲) ملک مین تمدنی اور معاشرتی تحریکون کی اشاعت (۳) ملک کی تعلیمی حالت پر تبصرہ (۴) رائج الوقت و جدید کتابون پر آزادانہ اظہار رائے (۵) اچھی تحریکون و علمی کام مین روڑا اٹکانے والون اور مذہب پر تمسخر اڑانے والون کی مذمت (۶) مزدورون اور کسانون کی امداد اس اخبار کا سالانہ چندہ تین روپیہ ہے، نمونہ کا پرچہ از خاکسار مہتمم کارزار ماڈل ٹاؤن لاہور

صہبائے دانش

از

مولوی سید ابو القاسم صاحب سرور، دار الترجمہ عثمانیہ

بسلسلۂ گذشتہ

اخلاقیات خود نیکی کیا چیز ہے، اس کا خیال انسان مین کیونکر اور کس طرح پیدا ہوتا ہے، کہنے مین تو یہ ڈھائی لفظ ہین لیکن اس ذرا سے سوال کی پیچیدگی خود ایسی ہے کہ ابتدا سے ہر قوم و مذہب نے اپنی اپنی انتہائی کوشش اس چیستان کے حل کرنے مین صرف کر دی، نیکی صرف ایک لفظ ہے مگر ایسا ہے کہ ہر دور نے اسے اپنا مطمح نظر بنایا اور خوب اچھی طرح بجائے خود جانچا پرتالا، مگر تعبیرات اور تعریفات مین تنوع اور فروعات مین ہمیشہ اختلاف کی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی اور کسی طرح اس اختلاف نے اتحاد کی صورت اختیار نہ کی، ابتداءً حکمائے اخلاق کا اختلاف فروعات و تفصیلات سے زائد نہ تھا، لیکن آگے بڑھکر فروعات کی طرح اصول بھی اس زد مین آگئے، اور اس اختلاف و ردّ و قدح نے بڑھتے بڑھتے دو گروہ بنا دیئے، جو ضمیریین و افادیین کے نام سے مشہور ہوئے۔

ضمیریین افعال کے حسن و قبح کا اصل ممیز ضمیر کو بتاتے ہین، افادیین کے نزدیک یہ سب افعال کی حیثیت افادی کا کرشمہ ہے، اس قسم کے اختلاف کا کچھ شائبہ افلاطون اور ارسطو کے یہان پایا جاتا ہے، مگر زینو اور اپی کورس نے اس مین زیادہ حصہ لیا اور یورپ نے اسے مکمل کر دیا، افادیین پر ضمیریین کا اعتراض یہ ہے کہ السنۂ عالم مین سے کسی ایک مین بھی نیکی اور افادیت کے الفاظ ہم معنی نہین مانے جاتے تو ایسی صورت مین کوئی بھی نیک کام جو کسی فائدہ کی غرض سے کیا جائیگا اس پر نیک ہونے کا کس طرح اطلاق ہو سکتا ہے اور اعمال کی حیثیت افادی ہی کو نیکی کا محرک قوی ماننے کے یہ معنی ہونگے کہ اعلیٰ اخلاقی نیکی کی منزلت پست

دفرو تر قرار دیجائے اور افضل ترین اخلاق کا سرمایۂ ناز بے اعتنائی کے حوالہ کردین اور اگر مسرت وانبساط کی مقدار انکے مدارج کے لحاظ سے ہوگی تو سخت ترین افعال ذمیمہ اعلیٰ محاسن کی نورانی فضا چھین لینگے اور اعلیٰ محاسن کو مکروہ ذمائم کی تاریکی مین منھ چھپانا پڑے گا، اپنی حیثیتِ افادی کی وجہ سے حیا باختگی، عفت فروشی، اعلیٰ محاسن مین شمار کیجائیگی، ایثار خود غرضی سے بھی پست تر درجہ اختیار کریگا، فیاضی حرف غلط کی صورت اختیار کریگی اور اسراف وفضول خرچی اس کے قائم مقام شمار کیجائیگی، رحم کی جانشینی کے لیے ظلم منتخب ہوگا اور انصاف کی جگہ قدرت کام کریگی، اس کے علاوہ اکثر بیشتر افعالِ حسنہ ایسی تعجیل مین انجام پاتے ہین کہ ان کے منافع اور مضار کی نسبت اس تعجیل مین نہ خیال ہی ادھر متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس بارہ مین رد و قدح کے لیے وقت ہی مساعدت کرتا ہے، اس کے بھی ماسوا ایک اور بات یہ ہے کہ ایک ہی نیک کام جو ایک شخص کے لیے نفع بخش ہے دوسرے کے لیے اسی کارِ نیک کی منفعت بخشی اور نفع رسانی نہ لازمی ہے اور نہ ضروری، تو ایسی حالت مین اس کی حیثیت افادی نیکی کو کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے،

افادیین بھی خاموش نہین وہ ضمیریین کی قبائے تحقیق کی اس طرح دھجیان اڑاتے ہین کہ جب نیکی کی حیثیتِ افادی کے علم کے بعد پھر نیکی نیکی نہین رہتی تو پھر کسی فعل کے نیک ہونے کے تذکرہ کے وقت اس کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس سے فلان فلان فائدے حاصل ہوتے ہین، اگر ضمیر ہی کو نیک وبد کا ممیز اور افعال انسانی کا رہبر تسلیم کرلیا جائے تو ایک سفاک رہزن جو صدہا بے گناہون کے خون سے ہاتھ رنگ کر اپنی ناپاک ذلیل اور نجس خواہش کو پورا کرنے کے سامان بار بار فراہم کرنے پر بھی نہین تھکتا، اور دوسرا جو فلاکت وتہیدستی کی پیہم ٹھوکرین کھانے پر بھی ضبط وتحمل اور شرافت وعزت کا دامن نہین چھوڑتا اور اسی عزت نفس کے سایہ مین محنت ومشقت سے اپنے قوتِ لایموت حاصل کرنے کی سعی وکوشش کرتا رہتا ہے، ان دونون مین امتیاز کی کونسی صورت اختیار کیجاسکتی ہے، اس لیے کہ دونون کے دونون ضمیر رکھتے ہین، ضمیر کا ایک کی رہبری کرنا، اور دوسرے کو قعر مذلت مین گرادینا یہ ترجیح بلا مرجح کیون اور کس بنا پر ؟ اس سے

بھی اگر قطع نظر کرلیجائے تو ایک اور سمان آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، وہ یہ کہ جب ضمیر ہی کو شمعِ ہدایت تسلیم کرلیا گیا ہے تو پھر اپنے مذہب کو حق اور اس کے نہ تسلیم کرنے والے کو گمراہ کس استحقاق سے کہا جاسکتا ہے، کیونکہ نہ ماننے والے بھی تو ضمیر رکھتے ہین، مگر یہ واقعہ ہے اور آئے دن کا مشاہدہ کہ ایک پیروِ ملت اپنے مقابلہ مین دوسرے عقائد کے متبع کو خاطی، عاصی، گرفتار ضلالت سمجھتا ہے، اسی بیان مین ذیل کی صورتین بھی اہتمام کے قابل ہین، کل تک ایک شخص جو ذمائم کی نجاست مین لتھڑا ہوا تھا، سیہ کاری اور تردامنی کی انگشت نمائی جسے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتی تھی، وہی آج زہد واتقا اور طہارتِ باطن کے اس درجہ پر پہنچ گیا کہ اس کا دامن نچوڑ کر فرشتون کو وضو کی دعوت دیجاسکتی ہے، اسی طرح وہ شخص جسے دینداری وپرہیزگاری کے منبر پر تزکیۂ نفوس کے وعظ وپند مین آنکھین مصروف دیکھ چکی تھین آج وہی میکدۂ ہوس رانی کا پیر مغان نظر آتا ہے، اسی قسم کی بوالعجبی سے جستجو کی ضرورت پیش آئی کہ دیکھا جائے آخر وہ کیا چیز ہے جو سچے اور جھوٹے صحیح اور غلط ضمیر مین امتیاز وفرق قائم کردیتی ہے،

ضمیر کے یکسان حالت پر رہنے کی صورت مین بھی بحث کے لیے خاصی جگہ تھی، لیکن اس کی دوسری صورت کو دیکھکر تو حیرت کی کوئی انتہا ہی نہین رہتی کہ عمر، تجربہ، اثر صحبت، وسعتِ معلومات، خیالات اسے کہان سے کہان پہنچا دیتے ہین، ادھر خیالات مین رد وبدل اور گھٹ بڑھ ہوئی کہ ضمیر بھی اسی کا تابع بن گیا، تبدیلی صرف خیالات ہی مین نہین ہوتی ساتھ ہی ساتھ ضمیر بھی بالکل بدل جاتا ہے، کسی مذہب وملت کا ماننے والا جو ایک زمانہ تک اپنے دیرینہ مسلمات کی پرستش کرتا رہا ہے اس کے نزدیک ان مسلمات کی صداقت اور حقیقت اس کا ایمان اور اس کی روح کی طمانیت کا سبب ہے، لیکن یہی پرستار مذہب وملت خیالات کی تبدیلی سے بالکل کایا پلٹ ہوجاتا ہے جو چیزین اس کی نظر مین قابلِ احترام اور صداقت آفرین ایک زمانہ تک رہین، اب وہی قابلِ تنفر اور یکسر کذب ودروغ کا مجموعہ معلوم ہوتی ہین، اور وہ بھی اس حد پر کہ اپنے پرانے معتقدات پر نفرت کی خاک ڈال کر بخوشی نئے عقائد کا طمانیت کدہ تیار کرنے مین مصروف ہوجاتا ہے،

جب ضمیر کی یہ تلون ریزیان ہین تو پھر اس سے یہ امید باندھنا کہ اس وقت تک جو حالتین نظر سے گزرین وہ استثنائی صورتین تھین لیکن آیندہ اور باتون مین یہ دھوکا نہ دیگا، ایک مضحکہ خیز لایعنی امر کے مرادف ہوگا،

ضمیرئین نے بنیادِ اخلاق یعنی ضمیر کی تعریف بھی عجب نہج سے کی، جو جامع اور مانع نہین ان کے نزدیک ضمیر ایسا حاسہ ہے جو کیفیاتِ مسرت والم سے بالکل بے نیاز، اور انسان کو ہمیشہ نکوکاری کی ترغیب دیتا ہے، اس تعریف پر تنقید نے جو استفسار طلب چیزین نکالین مثلاً انسان مین یہ حاسہ کب اور کس وقت پیدا ہوتا ہے، الم ومسرت سے بے نیازی اور استغنا کا کیا مطلب، ان کے جوابات اگرچہ دیئے گئے مگر نہایت سطحی، نہایت کمزور اور نہایت پھسپھسے، جنکا عدم ووجود دونون برابر ہے، غرضکہ اسی قسم کے ایرادات کے اوزار ضمیرئین اور افادئین باہم استعمال کرتے ہین، جنکی تفصیل وتشریح کی اس مختصر مین گنجایش نہین، کیونکہ ان کے لیے بہت پھیلنے کی ضرورت ہے،

یورپ مین اخلاقیات کا جو نہج شہرت وقبولیت حاصل کر چکا تھا وہ اس وقت تک برقرار رہا جبتک کہ مارٹن لوتھر نے جدید اخلاقیات کا سنگِ بنیاد نہ رکھ دیا جس کا رجحان حقیقت کی طرف تھا، اسی نے یہ تعلیم دی کہ انسان اپنی قوت واستعداد کے ذریعے سے اس عملی زندگی مین اپنا مقصدِ حیات پا سکتا ہے اور یہی عالمِ رنگ وبو اس کے اخلاقی افعال واعمال کی نمایش گاہ ہے، اسی خیال سے فلسفۂ جدید نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تدریجاً اخلاقیات کو دینیات کی زیر دستی سے نکال کر اپنے برابر جگہ ہی نہین دی بلکہ اپنے استقلال مین اسے بھی برابر کا شریک بنا لیا، اور جرمن کے مشہور فلاسفر کانٹ نے تو اخلاقیات کو کچھ سے کچھ کر دیا، وہ کہتا ہے کہ انسان آئین وقوانین کا ماخذ اور روح اخلاقی خود اپنے مین رکھتا ہے، اس روح اخلاقی کو بیرونی اور خارجی احکام کی حاجت نہین، اس لیے کہ یہ اس سے بے نیاز اور بالکل آزاد ہے، قانون اخلاقی کو حکم اخلاقی کہا جاتا ہے، انسان اپنے عزم وارادہ کو اقتدار باطنی یا حکم اخلاقی کی متابعت مین رکھکر اپنے فرائضِ متعلقہ انجام دیتا ہے اور یہی طریقہ اخلاقی عمل کے نام سے موسوم ہوتا ہے،

اجتماعیات

اکیلا انسان نہ ہنستا بھلا نہ روتا بھلا، یہ وہ مشہور کہاوت ہے کہ جو عام طور سے زبانون پر چلی آرہی ہے، اس کی صحت اور سچائی مین بالکل کلام کی گنجایش باقی نہین رہتی جب یہ خیال اگر اپنے تفصیلات سامنے پھیلا دیتا ہے کہ کیسے ہی فردوس نظیر بہجت آور مناظر انسان کے پیشِ نظر کیون نہ ہون، لیکن اگر یہ اکیلا ہے تو وہ فرحت بخش اور نشاط انگیز مناظر اس کی نظر مین ادنیٰ وقعت وحقیقت نہین رکھتے اور یہ کسی سے بھی حظ اندوز ہونے کے قابل نہین رہتا، اس لیے کہ اس کے میلان ورجحانِ فطرت نے کبھی اکیلا پن پسند ہی نہین کیا،

طبعِ انسانی کی یہ خواہش کوئی نئی نہین، پیچھے چھوٹے ہوے بعید سے بعید زمانہ کے جہانتک تاریخ فوٹو لے سکی ہے ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کبھی انسان کو پسند نہ تھی، الگ تھلگ رہنے کے بجاے ہمیشہ سے یہ کنبون، قبیلون، خاندانون، قومون کی چہل پہل، رونق وآبادی کا گرویدہ اور شیفتہ رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی فطری حاجتین اور مختصر زندگی کی ضرورتین ایسی نہین کہ یہ تن تنہا اپنے بنی نوع سے بے نیاز ہو کر ایک لمحہ بھی بسر کر سکے، اس لیے یہ اس امر پر مجبور ہے کہ زندگی کے مختلف کاروبار مین اپنے ابناے جنس کے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہے، ان سے ملاپ کے پینگ بڑھائے اور ارتباط واتحاد کا سلسلہ قائم کرکے اسے مستحکم بنانے کی کوشش کرے،

انسان کے باہم اتحاد پیدا کرنے کی کیا شرطین ہین، آپس مین ایک دوسرے کے ہاتھ بٹانے کے کون کون سے معاملات ہین، باہم اثر اور عمل کرنے کی نوعیت اور باہمی تعلقات کی کیا کیا صورتین ہین، حیات اجتماعی کی ترقی کے قانون کون کون سے ہین، یہ اور اسی طرح کے استفسارات اجتماعیات کے موضوعِ بحث ہونے کی حیثیت رکھتے ہین، عالم اجتماعی اور انسان مین جو سلسلہ تعلق ہے، حیاتِ اجتماعی کے وجود کی جو جو صورتین ہین ان کا اظہار اور ان سے بحث کرنا اجتماعیات کا فریضہ ہے،

مختصر یہ کہ انسانی جماعت یا انسانی نوع کے قیام بین اتحاد واتصال کی بحث اسی سے متعلق ہے یہی اجتماعی طاقتون کے آپس مین عمل واثر کی علت ووجہ دریافت کرتی ہے اور اس کے پاس مربوطاً اکائیون

کی مسلسل لڑی رہتی ہے، اجتماعی طاقتون کی کل جس قاعدہ سے چلتی ہے، ان قوتون کے پیچھے جو قانون کار فرما ہے، اس قاعدہ اور قانون کے معلوم کرنے ہی پر اجتماعیات اکتفا نہین کرتی بلکہ اس دریافت کے بعد آگے بڑھکر ان قوتون کا سلسلہ اس طرح مسلسل کرنے کی کوشش کرتی ہے جس سے انسانی جماعت مین ایک معتدل توازن پیدا ہوسکے،

لوگاس اور سوشیز یونانی اور لاطینی کے ان دو لفظون سے مل کر علم الاجتماع (سوشیالوجی) کی اصطلاح وجود مین آئی، (لوگاس یونانی لفظ کے معنی علم اور سوشیز لاطینی لفظ کے معنی اجتماع کے ہین) جس کا موجد اگسٹ کامٹ بتایا جاتا ہے، یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اس اصطلاح سے پیشتر اس علم کا نام و نشان تک نہ تھا، بات یہ ہے کہ اس اصطلاح کی عمر سے اس علم کا سن کہین زائد ہے، وضعِ اصطلاح سے قبل علم الاجتماع اور علمون کے مثل عہدِ طفولیت مین تھا اور چونکہ یہ علم کل کا کل نظری نہ تھا اس لیے عملی مسائل سے بھی اس کا رشتۂ ارتباط قائم تھا، جسے سیاسیات کہا جاتا تھا،

یونان کے مایۂ نازش افراد افلاطون اور ارسطو نے اپنی اپنی تصنیفون مین نہایت شد و مد سے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے "جمہوریت" اور "قوانین" افلاطون کی ان دونون تصنیفون مین ریاست وحکومت کے اختلافِ اشکال کی نسبت تفصیلی بحث ملتی ہے، ساتھ ہی اس طریقہ کی تعیین و تخصیص بھی جو افلاطون کی چشمِ تحقیق مین ریاست کا سچا اخلاقی مدعا تھا، اس نے اپنی تصنیفون مین ریاست اور حکومت کی مختلف ہیئتون کی نسبت جس طرح کے خاکے اور نمونے تیار کئے اور جس قسم کی خیال آرائی سے کام لیا، ارسطو کی نظر مین اس قسم کی تمام موشگافیان ایسی مخدوش معلوم ہوئین کہ اپنی شہرت یافتہ کتاب سیاسیات مین کل تحقیق کو نہایت پرزور تردیدی استدلال سے پامال کرکے رکھدیا،

کتاب مذکور مین شاہی، اشرافیہ، جمہوریت یا عمومیت یہ تین قسمین حکام کی قسمون کے اعتبار سے اس عہد کی حکومتون کی تقسیم کی جانب نہایت بالغ نظری سے ارسطو نے توجہ کی، ارتقا کا آغاز ہو یا کمال و انتہا، دونون

حالتون مین انسان جتھون، گروہون مین زندگی بسر کرنے کے سوا تنہا اور اکیلا کسی طرح نہین رہ سکتا، ارسطو خیال کی یہ حدین عبور کرتا ہوا یہانتک آگے بڑھا کہ اس کی چشمِ تحقیق مین ریاست تخمِ فطرت کی تدریجی روئیدگی کا نتیجہ معلوم ہوئی، اور اس نے اس کے ثابت کرنے کی انتھک کوشش کی،

کامٹ نے اس عقل کے پتلے کی اس باب خاص مین نہایت مدح و ستایش کی ہے، وہ کہتا ہے، کہ پیروانِ افلاطون اور خود افلاطون کے خیالات جائداد کے اشتراک کی نسبت نہایت مہیب صورت رکھتے تھے اسی دانشور یعنی ارسطو نے جس ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی کے آلات سے اس ہیبت کدہ کو مسمار کیا وہ یقیناً آپ اپنی نظیر ہے،

قرونِ متوسط مین دینیات کے سرمایہ کی مانگ خانقاہ ضمیر مین اس حد پر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی مقدار جتنی بھی پہنچتی ناکافی معلوم ہوتی، مذہبی بلند آہنگیون کی دلچسپیون مین التفات و اعتنا نے مسائل اجتماعی کی بات تک نہ پوچھی، خدا خدا کرکے نشأۃ جدیدہ کا آغاز ہوا اور ٹھکرائے ہوے مسائل اجتماعی پر تحقیق کی ایسی للچائی ہوئی نظرین پڑین کہ توجہ و التفات نے آگے بڑھکر انھین اپنے آغوش مین اٹھا لیا، سترواں اور اٹھارواں ان دونون کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ حقوق فطری کے مسئلون اور سوالون کی نسبت گروہِ فلاسفہ کے پیشرو اور اربابِ قانون ان دونون جتھون کی صدائین بلند ہو چکی ہین، اس قسم کے سوالات جو اب تک نظریات کی چار دیواری مین نظر بند چلے آتے تھے نشأۃ جدیدہ نے انھین یہان سے نکال کر سیاسیاتِ عملی کے خوشنما صحن مین لا بٹھایا، ہیگوگراٹیس اور تھامس ہابس یہ دونون افراد موجدین کی سی شخصیت رکھتے ہین، فرق صرف یہ ہے کہ مقدم الذکر کو قانون کے فلسفہ کی ایجاد کا شرف حاصل ہے اور مؤخر الذکر کا زادۂ طبع نظریۂ معاہدہ ہے، جو اس کے لیے طرۂ امتیاز سے کسی طرح کم نہین، حقوق فطری اور رواجی کو پہلے پہل ہیگوگراٹیس ہی کی دقتِ نظر نے بحث کے سانچہ مین ڈھالا، اسی بنا پر اسے قانون فلسفہ کا موجد کہا جا سکتا ہے، تھامس نے یہی نظریئے جانچے پرتالے اور سیاسیات کی کسوٹی پر کسے، تھامس جبر و قدر

کے ایک رسالہ میں اپنے مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقیاتی خیالات بیان کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اور مخلوقات کے مثل انسان بھی جبر کی مضبوط زنجیرون مین جکڑا ہوا ہے، اور تقدیر یا عزم الٰہی کا زیردست اور محکوم ہے، اخلاق اور دوسرے کاروبارِ حیات مین منفعت اور غرض یہی دونون منفعت اعلیٰ کا درجہ رکھتی مین، ہابس فطرت کی نسبت کہتا ہے کہ وہ ایک ہیئت پیکار، حالت جنگ یا تنازع للبقا کا نام ہے جس مین قوت سے حقیتِ حق کا ظہور ہوتا ہے اپنے بچاؤ اور فطرت کی اس آویزش اور کارزار کو خاموش کرنے کے لیے انسان نے باہم ایک ایسا معاہدہ کیا ہے جس سے ریاست کا ظہور ہوا، ریاست کیا ہے یہ حیاتِ افراد اور صیانتِ جائداد کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے، ہر ہر فرد کی نظر مین ریاست کی مرضی و خواہش قانون اعلیٰ کی طرح لائقِ احترام ہونا چاہئے، رعیت کے مطیع و منقاد ہونے سے ریاست اپنے نصب العین تک پہنچ سکتی ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ نظریۂ معاہدہ کی ایجاد کا سہرہ ہابس کے سر ہے،

ہانٹس کوئین اپنی تصنیف "رومیون کے عروج و زوال" وغیرہ مین سیاسی مظاہر کی نسبت اسطرح اظہارِ خیال کرتا ہے کہ جس طرح فطرت کے بیشمار مظاہر تغیر نہ قبول کرنے والے قوانین کے تحت اور زیر اثر چلتے آتے مین بس یہی حال سیاسی مظاہر کا بھی ہے۔ کامٹ کا بیان ہے کہ اس نے اجتماعی فکر و عمل کی تعمیر کے لیے فطرت کے قوانین کو سنگ بنیاد ٹھہرایا، مگر بعض افراد کا خیال اس سے بالکل مختلف ہے، وہ یہ کہتے ہین کہ واضعین قانون کے دست و بازو اک ایسی بسیط طاقت اور ہمہ گیر قوت کے حامل ہوا کرتے ہین کہ وہ نظامِ ریاست و مملکت مین اپنے منشا کے موافق تبدل و تغیر کرنے کا پورا اقتدار رکھتے ہین، ریاست و مملکت افراد کے معاہدۂ باہمی کا نتیجہ ہے، ہابس کے اس بیان کو روسو نے بھی اپنی تصنیف "معاہدۂ اجتماعی" مین تسلیم کیا ہے،

مثنوی فتوح الحرمین محی لاری

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی علی گڈھ،

اس مثنوی کا ایک قلمی نفیس نسخہ حیدرآباد سے حال ہی مین آکر داخل کتبخانہ حبیب گنج ہوا ہے، خطابخاری تمام قلمی کتابون کے خطاطی کی شان لیے ہوئے ہے، باقاعدہ ہے، جہانتک پڑھا صحیح ہے، جدول طلائی و لاجوردی کاغذ سمرقندی آب رسیدہ، قدرے کرم خوردہ نقشے رنگین و طلاکار، عنوان طلاکار لاجوردی، نام کاتب اور سنہ کتابت مفقود، قرائن کی شہادت سے باطمینان کہا جاسکتا ہے کہ کم و بیش تین سو برس کا پرانا نسخہ ہے محی لاری کا ذکر اکثر تذکرون مین ہے، کشف الظنون نے بھی فتوح الحرمین کے تحت مین لکھا ہے ریاض الشعراء داغستانی مین ہے کہ محی لاری سلطان یعقوب کے عہد مین تھا شاہ طہماسپ کے زمانے تک رہا، کمال فضیلت سے ممتاز تھا، قصیدۂ تائیہ ابن فارض کی شرح لکھی ہے، حج سے واپس آکر سلطان مظفر بن محمود شاہ کے نام پر مثنوی فتوح الحرمین لکھی، ایک لاکھ سکہ سکندری انعام پایا، خزانۂ عامرہ مین بھی یہی ذکر ہے اتنا اضافہ ہے کہ محی لاری محقق دوانی کا شاگرد تھا، ہفت اقلیم اور مخزن الغرائب مین ذکر ہے، آخر الذکر نے بابا فغانی کا معاصر لکھا ہے، فہرست کتبخانۂ بانکی پور مین سنہ وفات ۹۳۳ھ درج ہے (اس اطلاع کیلئے پروفیسر نظام الدین استاذ جامعۂ عثمانیہ کا سپاس گذار ہون) کلام صاف، زبان شیرین ہے، حقیقت و اثر کا رنگ لیے ہوئے ہے، مکۂ مکرمہ کی تعریف ملاحظہ ہو،

مکہ کہ شد قبلۂ اہل نجات حرسہا اللہ عن الحادثات

طعنہ براکسیر زند خاکِ او	گل خجل است از خس و خاشاکِ او
ریگ زمینش چو نجوم سماست	گم شدگان را یقین رہنماست
جنت عینیست کہ بے زرع و کشت	جمع درو گشتہ نعیم بہشت
گل نہ و باد سحرش مشکبوی	می نہ و میخانہ پر از ہائے وہوی
زرع نہ و خرمن او دانہ بخش	غرس نہ و طوبی او سایہ بخش
باغ نہ و میوۂ او ظاہر است	راغ نہ و سبزۂ او ظاہر است
لالہ نیفروختہ در وے چراغ	بر دلش از حسرت آن بہ اندداغ

تمام مناسکِ حج شوق کی تڑپ اور پاسِ ادب کے ساتھ بیان کئے ہین، حج کے بعد زیارت مدینۂ طیبہ کی تفصیل شانِ بالا کے ساتھ ہے، ایک باب کا عنوان ہے ،،من نتائج انفاس مولنا نورالدین عبدالرحمن جامی" عنوان ہذا سے پہلے یہ شعر ہے، ؎

گر بودت از سخنِ من ملال	گوش کن از عارف جامؔ این مقال

اس عنوان کے تحت چار صفحے مولنا جامی کے کلام کے ہین، اخیر شعر یہ ہے،

یارب از انجا کہ کرم آنِ تست	چشم ہمہ بر در احسانِ تست،
جامی اگر چند نہ صاحب دلی ست	از تو بامید چنین حاصلی ست

نسخہ ہذا کے ہاتھ آنے پر مین نے اپنے کتابخانہ کا جائزہ لیا تو دو نسخے نکلے، ایک قلمی، دوسرا مطبوعہ، سردست مطبوعہ نسخہ سے بحث کرنی ہے، کہ ایک فاش غلطی کی اصلاح ہو، یہ نسخہ مطبع نولکشور مین دوبارہ ۱۸۸۰ء مین بمقام لکھنؤ طبع ہوا ہے، کاغذ سپید ہے، خوشخط جلی قلم، کاتب فدا حسین خوش نویس مطبع، آخر مین ۱۹ صفحے تقریظون اور تاریخون کے ہین، مطبع والون نے اس مثنوی کی تالیف کی بابت سخت دھوکا کھایا ہے اور ان کی وجہ سے پبلک مغالطے مین مبتلا ہوئی ہے، جو تقریظ مالکِ مطبع کی طرف سے شاملِ کتاب ہے، اوس مین لکھا ہے،

"نسخۂ صحیحۂ فتوح الحرمین مصنفہ جناب تقدس مآب . . . . . . محی الدین عبدالقادر جیلانی . . . . ."

اس کے آگے لکھا ہے کہ "اس مثنوی کا ایک نسخہ" مرقوم بخوشترین خط نستعلیق ولایتی" مولوی اشرف علی لکھنوی کے توسط سے ملا، اس کو دیکھتے ہی طبع کا شوق ہوا، دوسرا نسخہ باوجود تلاش نہ ملا، منشی محمد مرزا جان تصحیح پر مامور ہوئے جن کے مذاقِ شعر و سخن کی مہارت تام کی تعریف بھی درج ہے، ہم یہان لیتے ہین کہ جو نسخہ مطبع کو ملا اس مین انتساب تصنیف حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب ہوگا، لیکن مطبع کی ذمہ داری اس پر ہی ختم نہین ہوجاتی، حضرت کے حالات کی تحقیق کرنا تھا کہ آپ نے فارسی مین کوئی مثنوی لکھی ہے، ظاہر ہے، کہ مغالطہ محی کے لفظ سے کھایا ہے، لہذا شعراء کے تذکرون مین محی کا ذکر دیکھنا لازم تھا، انتہائی بے پروائی یہ تھی کہ تذکرۂ خزانۂ عامرہ اس مثنوی سے برسون پہلے اسی مطبع مین طبع ہوچکا تھا، اس کو بھی دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ کی گئی،

جو عنوان ہمنے مولنا جامی کے کلام کا مثنوی قلمی سے اوپر نقل کیا ہے، اگرچہ مطبوعہ مین نہین ہے، تاہم مولنا جامیؔ کے نعت کے دو مشہور بند درجِ مثنوی مطبوعہ ہین، (دیکھو صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳) مولنا کا کلیات بھی مطبع نولکشور مین ۱۸۸۰ء مین چھپا تھا اُس مین یہ بند بھی ہین، (ملاحظہ طلب صفحہ ۱۹ کلیات مطبوعہ نولکشوری) کاش ان کو بھی اہل مطبع دیکھ لیتے، ان بندون مین ایک شعر ہے ؎

کز گدا ے بینوا جامیؔ عنایت دا مگیر	کش عنانِ دل زکفِ حرص و ہوا بر بودہ

مثنوی مطبوعہ مین بجاے "جامی" کے "جام" ہے اور مصرعہ اسطرح

"کز گداے بینوا جامِ عنایت دا مگیر"

بڑی زبردست اور روشن شہادت اس مثنوی کی زبان اور طرزِ بیان ہے، حیف کہ آج سے نصف صدی پہلے اہل مطبع مین ذوقِ فارسی اسقدر مفقود تھا کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ مثنوی کی زبان نوین دسوین صدی ہجری کی ہے جو فیضی جامی وغیرہ کی مثنویون مین بے تکلف ملائی جاسکتی ہے، پانچوین یا چھٹی صدی ہجری کی زبان یا طرزِ سخن نہین جو حضرت کی طرف منسوب ہوسکتی ہے، کاش شیخ عطار و حکیم سنائی کی مثنویون سے ملا لیتے،

ضمیمہ :- مضمون سابق کی کتابت کے بعد صاحب مضمون کا حسب ذیل ضمیمہ موصول ہوا،

"معارف"

عجب اتفاق ہے، پرانے خطوط ایک ضرورت سے دیکھے جا رہے تھے کہ علامہ شبلی مرحوم کی ایک تحریر مورخہ ۸ رفروری سنہ ۱۹۱۰ء ہاتھ آئی، لکھتے ہین،

"فتوح الحرمین" حالات حرمین مین ایک مثنوی ہے، مصنف کا نام محی ہے، لیکن کشف الظنون کے سوا اور کسی تذکرہ مین پتہ نہین لگتا، آپ اپنے دفتر مین تو دیکھئے"

عین اس وقت جبکہ میرا مضمون معارف مین چھپ رہا ہے اس تحریر کا بائیس (۲۲) برس بعد ہاتھ مین آنا کیسا عجیب ہے، یہ تو یاد نہین کہ اس وقت جواب کیا دیا تھا لیکن اس سے ایک خاص لطف قلب محسوس کرتا ہے کہ ایک محترم فرمایش کی تعمیل ہو رہی ہے، معلوم نہین مولوی صاحب نے کون سے تذکرے دیکھے جو محی کے ذکر سے خالی تھے، ورنہ خزانۂ عامرہ، ریاض الشعراء وغیرہ تذکرون مین تو اُس کا ذکر موجود ہے،

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین ملسکتا، ضخامت ...۴ صفحے،

قیمت :- ہے

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

دار التالیف کابل

کابل مین دار التالیف ایک مدت سے قائم تھا لیکن دور نادری مین اس نے نمایان ترقی کی ہے اور اس ترقی کی تاریخ رسالہ آئینۂ عرفان مین شائع ہوئی ہے، جسکا خلاصہ اخبار اصلاح کابل (۳۰ اگست ۱۹۳۲ء) کے ذریعہ سے ناظرین معارف کے اضافۂ معلومات کے لئے حسب ذیل ہے،

سرکاری طور پر کابل مین تالیف و ترجمہ کا صیغہ ۲۵ سال سے قائم تھا لیکن اس مدت مین وہ بالکل غیر منظم حالت مین رہا، اس لیے کوئی قابل الذکر علمی خدمت نہ انجام دے سکا، البتہ سنہ ۱۳۰۲ھ کے آخری حصہ مین اس نے ایک وسیع پیمانے پر کام شروع کیا، اگرچہ جو ابتریان اور بدنظمیان اس زمانے مین دوسرے محکمون مین پائی جاتی تھین، ان سے یہ محکمہ بھی غیر متاثر نہ رہا، تاہم چھ سال کی مدت مین اس نے ان تمام ابتریون اور بدنظمیون کے باوجود اہم کتابین ترجمہ و تالیف کین، اور بہت سے رسالے، پروگرام، دستور العمل اور ڈرامے وغیرہ شائع کئے، لیکن دور نادری مین اور چیزون کے ساتھ علمی ذوق کو بھی بے انتہا ترقی ہوئی ہے، چنانچہ اعلیحضرت نادر شاہ نے اس ذوق کو ترقی دینے کے لیے تقریبا ...۱ فرمان جاری کئے ہین، اور اسی قدر تقریرین کی ہین، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ تمام ملک مین مطالعہ کا شوق بے انتہا ترقی کر گیا ہے، اور ہر قسم کے علمی، اقتصادی اور اجتماعی رسالے اور اخبار نکل کر اس شوق کی پیاس بجھا رہے ہین، اسی سلسلے مین انھون نے دار التالیف و الترجمہ کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائی ہے، اور اس کے لیے بجٹ مین ایک معقول رقم کی منظوری دے کر اسکو محکمۂ تعلیم کا ایک جزو قرار دیا ہے جس کا نام

"ریاست تعلیم وتربیت" ہے، اور اس کے پروگرام کو جس قدر وسعت دی ہے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) پروگرامون کی تحقیقات،

(۲) کتابون کی تالیف وترجمہ اور علمی کتابون کو چھاپنے کے لیے متعین کرنا،

(۳) علمی وفنی اصطلاحات کا انتخاب و اتحاد،

(۴) طلبہ واساتذہ کے امتحان کا اصول مقرر کرنا،

(۵) تعلیم وتربیت کے اصول کی تحقیقات اور بوقت ضرورت علمی رپورٹون کی جانچ پڑتال،

(۶) اساتذہ ومتوسلین سررشتۂ علوم وفنون کے متعلق دستورالعمل کی وضع وترتیب،

(۷) موقت اور غیر موقت علمی رسالون کی اور علوم وفنون کی فہرستون کی ترتیب،

(۸) جو کتابین بالمقابلہ لکھی جائین ان کی تصدیق وترجیح،

(۹) آثار تاریخی اور فنون لطیفہ کے اہمیت کی تحقیقات،

(۱۰) کتب خانون کی ترتیب وتنظیم،

اس محکمے مین ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۰۲ھ کے نصف حصے تک چار مولف و مصحح، سات کاتب، اور ایک سرمحرر ابتدائی کتابون کے ترجمہ وتالیف پر مامور تھے، مگر ۱۳۰۲ھ کے آخری حصے مین ایک سال تک ایک مددگار نے بھی کام کیا، لیکن ۱۳۰۳ھ کے آخری حصے مین مولفین ومحررین کا تمام عملہ الگ کردیا گیا، صرف ایک معاون، ایک سرمحرر، اور دو کاتب رہگئے، لیکن چند مہینون کے بعد ان مین ایک کاتب مصحح کردیا گیا، اور اب اس محکمے کے عملے مین صرف ایک معاون، ایک مصحح، ایک کاتب، ایک سرمحرر باقی رہے ایک سال کے بعد ۱۳۰۴ھ کے ابتدائی حصے مین یہ مصحح بھی الگ کردیا گیا لیکن ایکسال کے بعد ایک مصحح کا پھر تقرر ہوا، اگرچہ اس محکمے کے متعلق ایک دستورالعمل بھی جو ۳۹ دفعہ پر مشتمل تھا عقرب ۱۳۰۲ء مین قانوناً منظور ہوچکا تھا لیکن صرف اس کی بعض دفعات نافذ ہوسکین، بقیہ دفعات ہر دور مین بدل بدل کر دیگئی

ہوتی ہین، بغرض ۱۳۰۸ھ تک اس محکمہ نے اپنا کام کیا اور بہت سی کتابین، اور بہت سے موقت اور غیر موقت رسالے شائع کئے، لیکن جدی ۱۳۰۸ مین اور محکمون کی طرح اس پر بھی زوال آگیا، لیکن اب اس محکمہ مین دوسرے ترقی یافتہ ملکون کیطرح چار عالم خود اس محکمے کے، اور چار عالم دوسرے محکمون کے اور چار تعلیم یافتہ شخص جو مکاتب اور دوسرے انتظامی صیغون کا تجربہ رکھتے ہین کام کر رہے ہین، اس کے علاوہ بیرونی ممالک مثلاً مصر، ایران اور ہندوستان کے بھی چند علماء کا اضافہ ہونے والا ہے، جو عنقریب جمع ہوکر لاکھون روپیے کے صرف سے درس وتدریس کے لیے مفید کتابین لکھکر ملک کے سامنے علم وادب کا ایک غیر معمولی ذخیرہ رکھدینگے،

ایک اٹالین نژاد عربی قبیلہ،

جن اٹالین سیاحون نے مصر اور مشرق قریب کے ملکون کی سیاحت کی ہے اور اپنی تصنیفات مین مصر کے آثار اور وہان کے بدویون اور شہریون کے عجیب وغریب حالات لکھے ہین، ان مین ایک سیاح روبکی برکیتی (ROBECCHIBRICHETTI) ہے جس نے ۱۸۹۵ء مین مصر کی سیاحت کی اور وہان ایک مدت تک مقیم رہا، اس کے سفر کا ظاہری مقصد تو صرف طبی جڑی بوٹیون کا جمع کرنا تھا، لیکن اس نے مخفی طور پر فراعنہ کی مومیات کا سراغ لگانا بھی پیش نظر رکھا تھا، اس کی اس سیاحت کی یادداشت ۱۹۰۱ء مین شائع ہوئی ہے، اس سفرنامہ سے ایک مصری اہل قلم نے اب تک قبیلہ ساجرہ کے دلچسپ حالات شائع کئے ہین، جو موجودہ دور مین اپنے عادات واخلاق، رسم ورواج، طرز زندگی ومعاشرت اور زبان ومذہب کے اعتبار سے خالص عرب قبیلہ معلوم ہوتا ہے، یہ قبیلہ صحرائے لیبیا مین بحر ابیض کے ساحل پر آباد ہے، اٹالین سیاح نے اس قبیلہ کو اٹالین نژاد عربی قبیلہ قرار دیا ہے، اس نے اس قبیلہ کی جو کچھ تاریخ بیان کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، اس کا بیان ہے کہ

"اس قبیلہ کی تاریخ اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جزیرہ صقلیہ کے شہرسا کا ایک شخص جس کا نام

سینکیری ترینا کریزی تھا بادبانی کشتی مین مچھلی کا شکار کیا کرتا تھا، ایک بار وہ اپنے اور رفقار کے ساتھ اسفنج اور مونگے کے شکار کے لیے ساحل افریقہ کی طرف روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے کشتی ڈوب گئی اور صرف وہی زندہ بچ گیا، چنانچہ جب موجون نے اس کو ساحل کے کنارے ڈال دیا تو عرب اس کو اٹھا لائے اور اس کو ڈوبنے سے بچالیا، اگرچہ وہ ابتدا مین اس قدر خوف زدہ رہا کہ چند دنون تک اس نے بات چیت تک نہین کی، تاہم عربون نے اس کے ساتھ اس قدر شریفانہ برتاؤ کیا کہ وہ انھی مین رہگیا اور اپنے وطن کی طرف مراجعت نہین کی، صرف یہی نہین بلکہ اس نے اس احسانمندی کے اظہار مین اپنے اصلی مذہبی عقیدے کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر لیا، اور اس کے بعد اس نے ایک حسین بدوی لڑکی سے شادی کر لی اور غالبًا اسی کے عشق و محبت مین اپنی اس نئی زندگی کو قائم رکھا، اس قبیلے کے عرب اپنے قبیلے کے بانی سینکری کو اب تک سنجر کے نام سے نہایت ادب و احترام کے ساتھ یاد کرتے ہین،

اور یہ لوگ نہایت قوی، حسین، بہادر، فخار اور مہمان نواز ہوتے ہین،

یہ ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، جس کے افراد کی تعداد ۲۰ ہزار سے زیادہ ہے. اور وہ دوسرے قبائل سے بھی رشتہ داری کے تعلقات رکھتے ہین، یہ لوگ بالکل آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرتے ہین، نہ تو کسی سلطنت کی رعایا ہین، نہ ٹکس ادا کرتے، اور نہ اپنے عقیدے کے خلاف کسی قانون کی پابندی کرتے، بقدر ضرورت کھیتی باری تو کر لیتے ہین، لیکن زیادہ تر ادھر ادھر بکریون اور مویشیون کو چراتے پھرتے ہین، اور مویشیون کی تربیت و پرداخت مین اپنی نظیر نہین رکھتے،

یہ لوگ بارش کے شروع ہونے کے ساتھ ہی نہایت سرعت کے ساتھ کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیتے ہین، اور ماش، پیاز، خربزہ، ککڑی، بالخصوص دہان کو بو کر شاداب قطعون مین دو تین مہینے کے لیے نکل جاتے ہین، پھر پلٹ کر اپنے پہلے مقام پر خیمے نصب کرتے ہین، تاکہ اپنی کاشت کے فوائد سے متمتع ہو سکین، ان مین بعض لوگ پہاڑون یا دوسری وادیون مین بھی اقامت گزین رہتے ہین، لیکن تمام

پہاڑ اور وادی سمندر کے کنارے ہوتے ہین جو انکی اصلی قیامگاہ ہے،

"ع"

معارف :۔ نہین معلوم قبیلہ ساجرہ کا وہ ایطالوی مورث اعلیٰ کس عہد سے تعلق رکھتا ہے، ایطالوی سیاح کے جزیرۂ صقلیہ کا شہر شاکا، عربون کا شہر شاقہ تھا، یہان اسلامی دور مین عرب قبائل آباد تھے، امام سلفی کے استاذ، ابو عمر عثمان بن حجاج الشاقی، اسی طرف منسوب ہین،

اندلس کے علمی آثار،

میڈرڈ جسکو اہل عرب مجریط کہتے ہین اندلس کا ایک عظیم الشان شہر ہے، اور جو مدت سے اب اس کا پایہ تخت ہے، اور تمام تمدنی ساز و سامان، مثلاً سر بفلک عمارتون، شاداب باغون، وسیع سڑکون، شاندار ہوٹلون، اور فرحت انگیز سیرگاہون سے معمور ہے، لیکن ایک علمی شخص کے لیے اس مین سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک عربی عجائب خانہ (میوزیم) ہے، جسمین اندلس کی قدیم نادر چیزین مثلاً ظروف گلی، مختلف قسم کے کپڑے خاصکر طلاکار کپڑے، اور قبرون کے کتبے وغیرہ جمع کئے گئے ہین، حال مین شیخ خلیل الخالدی نے جو بیت المقدس کی مذہبی عدالت کے صدر ہین میڈرڈ کی سیر کی ہے، اور اس عجائب خانے کو دیکھا ہے، اور اسکی متعدد نادر الوجود قلمی کتابون کا مطالعہ کیا ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک خط مین اخبار فتح (مصر) کے اڈیٹر کے نام لکھتے ہین کہ اس عجائب خانے مین مین نے بعض قدیم اندلسی قرآن دیکھے جو حضرت عثمانؓ کے مصحف کے موافق لکھے گئے ہین، میرا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس عجائب خانے مین اندلس کی قدیم کتابین دیکھون، چنانچہ مین نے اسکو اس حیثیت سے دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر رہگیا اور ایسی نادر الوجود کتابین دیکھین کہ اب تک حیرت زدہ ہون،

اس عجائب خانہ کے بعد مین نے اسکوریال کا رخ کیا جو اپنے کتبخانہ کی وجہ سے نہایت مشہور ہے، مین نے وہان ایک مدت تک قیام کیا، اور ایک خاص چیز کے متعلق مجھکو بحث و تنقید کا کافی سامان نظر آیا یعنی یہ کہ علمائے اندلس کے یہان صرف، نحو، لغت اور ادب کی تعلیم کا کیا طریقہ تھا؟ اور وہ کون کونسی کتابین پڑھاتے تھے؟ اس سلسلے

مین خوش قسمتی سے مجھے سیبویہ کی کتاب کا ایک نسخہ اندلس کے شیخ النحاۃ والعربیہ ابو علی شلوبینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا جو پڑھا گیا ہے، اور اسکی تصحیح کیگئی ہے، اس کے علاوہ مین نے حسب ذیل کتابین دیکھین،

(۱) ایضاح المنہج فی الجمع بین کتابی التنبیہ والمبہج، کتاب التنبیہ والمبہج ابن جنی کی تصنیفات سے ہین جو اس کے حماسہ پر لکھی ہین، اور ایضاح المنہج ابو اسحاق بن ملکون الاندلسی کی تصنیف ہے، جو نحو ولغت کے امام اور ابو علی شلوبینی کے استاد ہین،

(۲) شرح ابن سید البطلیوسی، یہ ابو العلا معری کی کتاب ملقی السبیل کی شرح ہے،

(۳) نقد النثر[1] یہ مشہور انشا پرداز ابو الفرج قدامہ بن جعفر کی کتاب ہے جو البیان کے نام سے مشہور ہے اور جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مین اسی کی پیروی کی ہے،

ان کتابون کے علاوہ مین نے میڈرڈ مین چند اور کتابین دیکھین مثلاً

(۱) کتاب الجوامع لابن رشد، اس مین اس نے ارسطو کی فلسفیانہ کتابون کا خلاصہ کیا ہے، مستند اقوال جمع کئے ہین، اور قدماء کے مذاہب کو حذف کردیا ہے،

(۲) کتاب الفلاحۃ فی الارضین والحیوان[2]، دو ضخیم جلدون مین ہے، جسکو یحیی بن احمد بن محمد بن العوام نے فلاحین اور حکمائے متقدمین کی کتابون کی مدد سے مدون کیا ہے،

(۳) کتاب التلقین، ابن نصر کی تصنیف ہے جسکی معری نے سقط الزند مین تعریف کی ہے،

(۴) التبیین فی شرح التلقین، یہ اسی کتاب کی شرح ہے جسکو امام مجتہد ابو بکر بن عربی نے لکھا ہے،

مصر کے سکے

سکے کی تاریخ علوم وفنون اور نظام حکومت کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے، کیونکہ تاریخ مین

[1] معارف:- اس مصنف کی ایک اور کتاب نقد الشعر ہے جو چھپ گئی ہے، اور دار العلوم ندوہ کے نصاب درس مین شامل ہے،

[2] ": - یہ کتاب یورپ مین چھپ چکی ہے، اور اس کا ترجمہ بھی اردو مین معارف پریس سے شایع ہو چکا ہے،

کسی ایسی سلطنت کا ذکر نہین ہے، جس کا مخصوص سکہ نہ ہو، لیکن جب اُس سلطنت پر زوال آیا تو اس کیساتھ چند دنون مین اس کا سکہ بھی فنا ہو گیا، اس بنا پر تاریخون مین سکون کی مختلف قسمین ملتی ہین جو ایک زمانے تک رائج رہے، پھر بعد کو فنا ہو گئے، چنانچہ یونانی اور رومی سکون کا یہی حال ہوا،

معدنی سکون کا رواج تو چھٹی صدی قبل مسیح مین ہوا، لیکن سونے کا سکہ ظن غالب ہے کہ قارون نے ڈھالا جو ایک مشہور دولتمند بادشاہ تھا اور اسی زمانے سے ہر سلطنت نے اپنے اپنے مخصوص معدنی سکے رائج کئے، اور ان سکون کی مخصوص شکلین مثلاً بعض کی گول بعض کی مربع بعض کی مستطیل، اور بعض کی مثلث قرار دیگئین، اور ہر ایک پر ایسے رموز ونقوش کندہ کئے گئے جنکا تعلق دینی عقائد یا سیاسی واقعات سے تھا،

چونکہ سکون کا تعلق سلطنتون کے استقلال کیساتھ ہے، اس لیے مستقل حکومتون کے فرمانروا ہمیشہ اپنے نام اور اپنی تصویرون کیساتھ سکے ڈھالتے رہے ہین، اور یہ سکے چونکہ مختلف حجم اور مختلف معدنیات سے ڈھالے جاتے تھے، اسلیے بعض نہایت بڑے اور بعض نہایت چھوٹے ہوتے تھے، یہانتک کہ بعض سکون کو ایک آدمی اٹھا بھی نہین سکتا تھا،

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہین، سونے کے سکے سب سے پہلے قارون نے ڈھالے اور اسی وقت سے سونا بلکہ چاندی بھی تمام دنیا مین نقد کا معیار قرار پایا، لیکن سونے کی اصلی قیمت اس وقت ظاہر ہوئی جب اقتصادی مشکلات کے زمانے مین تمام سلطنتون نے سونے کا ذخیرہ جمع کرنا شروع کیا،

بعض قومون نے مٹی اور شیشے اور لوہے وغیرہ کے سکے بھی استعمال کئے ہین، اور اس زمانے مین سکون کی قیمت کا معیار اس کی دھات کی کمی وبیشی پر ہے، یعنی جسقدر وہ دھات کمیاب ہوتی ہے، اسکی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اور جسقدر اسکی مقدار زیادہ ہوتی ہے، اسکی قیمت کم ہوجاتی ہے، سونے کی قیمت کی زیادتی کی وجہ یہی ہے،

حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے جب ۶۴۱ء مین مصر کو فتح کیا ہے، اس وقت وہان کا اصلی سکہ وہی دینار تھا، جو عرب مین رائج تھا، اور جس کو اب حکومت عراق انگریزی گنی کی مساوی حیثیت سے دوبارہ جاری

کرنا چاہتی ہے، چنانچہ انھون نے باشندگانِ مصر پر دینار ہی کے حساب سے جزیہ لگایا، اس کے بعد سلطان صلاح الدین کے زمانے تک مصر مین خلفائے بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ کے سکے رائج رہے، لیکن خود مصر مین سب سے پہلے ۲۷۵ھ مین امیر احمد بن طولون نے دینار ڈھالے جنکو ان کے نام کی نسبت سے احمدی دینار کہتے ہین، اس کے بعد ۳۵۸ھ مین سپہ سالار جوہر صقلی نے نئے دینار ڈھالے جو خلیفہ معز لدین اللہ کے نام کی نسبت سے معزیہ کہے جاتے ہین،

ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ سلطان صلاح الدین کے زمانے تک مصر مین خلفائے بنو امیہ اور عباسیہ کے سکے جاری رہے، لیکن سلطان صلاح الدین نے ان کے بجائے نئے مصری دینار ڈھالے اور انکو رائج کیا، اور وہ ۵۸۳ھ تک رائج رہے، فاطمیین کے زمانے مین مصر مین ایک ٹکسال تھا، جسمین مختلف قسم کے سکے جو اس زمانے مین رائج تھے ڈھالے جاتے تھے، محمد علی خدیو مصر کے زمانے مین ریال مصری ڈھالی گئی، اور فرانسیسی ریال اور فرانسیسی گنی کا بھی رواج ہوا، اس کے بعد خود مصری گنی ڈھالی گئی، اور بنتو کا بھی رواج ہوا، لیکن مصری سکون کا صحیح نظام خدیو اسماعیل کے زمانے مین قائم ہوا، جو شاہ فواد اوّل کے باپ تھے، چنانچہ ان کے زمانے مین گنی کی خاص اصلاح ہوئی اور دوسرے مختلف سکے رائج کئے گئے، جو بیسوین صدی کے آغاز تک رائج رہے، اس کے بعد مختلف عثمانی سکون نے ان کی جگہ لے لی،

مصر مین فاطمیین کے ٹکسال کے علاوہ محمد علی پاشا کے زمانے مین قلعہ مین ایک ٹکسال قائم ہوا جو ۱۲۳۰ھ مین شارع حجابلیہ قاہرہ مین بیت المال کیطرف منتقل ہوگیا، اس ٹکسال مین سکون کے ڈھالنے کے علاوہ چاندی، سونے اور دوسرے وزنون اور پیمانون کی بھی جانچ کیجاتی تھی اور حکومت کیلئے مہرین بنائی جاتی تھین، لیکن بعد مین اسمین چاندی کے سکون کا ڈھالنا موقوف ہوگیا اور صرف سونے چاندی اور نکل کے سکے ڈھالے جانے لگے، لیکن ۱۹۱۲ء مین اسمین سکون کا ڈھالنا موقوف ہوگیا، اور یہ کام انگلستان کے ٹکسال کے حوالے کیا گیا،

"ع"

(الہلال مصر)

اخبار علمیہ

ہندوستان مین یہود کی آبادی،

ہندوستان کی گذشتہ مردم شماری مین جن اقلیتون کی آبادی کا شمار علیحدہ کیا گیا تھا، اُن مین سب سے کم تعداد یہود کی ہے، برطانوی ہند اور ریاستون کی آبادی (۳۵۲۸۳۷۰۰۰) ہے، اس مین یہود کی مجموعی تعداد صرف (۲۴۱۴۱) ہے، اُن مین (۱۲۴۵۰) مرد اور (۱۱۶۹۱) عورتین ہین، یہود کی آبادی سب سے زیادہ صوبہ بمبئی مین ہے، جہان ان کی تعداد (۱۷۷۳۹) ہے، بنگال مین ان کی آبادی (۱۸۶۷) ہے، ریاستون مین یہود کی مجموعی تعداد (۲۹۳۵) ہے، ہندوستان مین یہ لوگ سب سے پہلے ریاست کوچین مین آکر مقیم ہوئے تھے، وہان اون کی آبادی (۱۴۵۱) ہے، صوبہ جات متوسط مین اون کی تعداد (۱۵۳) ہے، صوبہ پنجاب اور صوبہ دہلی مین صرف (۱۲) اور (۱۱) صوبہ کورگ مین ایک بھی یہودی نہین ہے، اسی طرح جزائر انڈیمن مین بھی کوئی یہودی نہین ہے،

وحشی اقوام کی ایک عجیب و غریب رسم،

ڈاکٹر لوتھروپ (DR. LOTHROP) نے جنوبی امریکہ مین وحشی اقوام کے متعلق تحقیق و تفتیش کے سلسلہ مین ان کی ایک عجیب و غریب رسم کا پتہ لگایا ہے، قدیم زمانہ مین ان قومون مین یہ رواج تھا کہ اپنی انگلی کی ایک یا دو پور کاٹ ڈالتے تھے، ڈاکٹر موصوف کو اس تحقیق کے سلسلہ مین معلوم ہوا کہ دریائے پراما کے ڈیلٹا مین جو وحشی قومین آباد تھین اُن مین کم سے کم چار ضرور ایسی تھین جنمین یہ رواج پایا جاتا تھا، اسی طرح وسط امریکہ کی قدیم قوم مایا مین

بھی یہی رواج تھا، یورپ مین بھی زمانۂ قبل تاریخ مین بعض شکاری قومین اس رسم مین مبتلا تھین، چنانچہ اس وقت بھی فرانس کے بعض غارون مین اُن کے ہاتھون کے نشان موجود ہین، جن سے کٹی ہوئی انگلیون کا پتہ لگتا ہے، ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے، کہ افریقہ، ہندوستان، اور اسٹریلیا مین بھی انگلی کاٹنے کی رسم کے علامات معلوم ہوئے ہین، اس رسم کے مختلف اسباب تھے، جنوبی امریکہ مین یہ ماتم کی علامت سمجھی جاتی تھی، ملکسکو اور یورپ قبل زمانہ تاریخ مین اوس کا تعلق جادوگری سے تھا، آسٹریلیا مین یہ بیماری کا علاج سمجھی جاتی تھی، اور قدیم ہندوستان مین اسکا شمار ان رسومات مین تھا، جو پیدایش کے وقت برتی جاتی تھین،

دو ہزار سال کی روٹی

شہنشاہ ہیڈرین کے بازار کی جو دوکانین روم مین کھود کر برآمد کی گئی ہین، اُن مین مسولینی نے حال مین رومی طباخی کی ایک بین الاقوامی نمایش کا افتتاح کیا تھا، اس نمایش کی سب سے زیادہ عجیب چیز ایک قدیم رومی روٹی ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ دو ہزار سال قبل کی ہے، یہ بہت سخت ہے، اور اس کے مرکزی حصہ سے آٹھ لکیرین چارون طرف پھیلی ہوئی ہین، ایک سو ملکون نے اس نمایش مین حصہ لیا ہے، اور اپنے اپنے عجائبات بھیجے ہین، ان عجائبات مین ترنس پروکیولو (TERENCEPROCULO) اور اوس کی بیوی کی تصویر بھی ہے، یہ دونون پومپیائی کی تباہی سے کچھ ہی دنون قبل وہان نان بائی کا پیشہ کرتے تھے، لیکن اُس عام ہلاکت مین جو ویسوویس کی آتشفشانی سے پیدا ہوئی، یہ بھی جلتی ہوئی راکھ کے نیچے دفن ہوگئے،

ایک جدید گھڑی

ایک امریکن نے ایک ایسی گھڑی ایجاد کی ہے جس کے اوپر ڈائل نہین ہوتا جسپر ہندسے لکھے ہوتے ہین، بلکہ وہ بنکون کے اس صندوق سے مشابہ ہے جس کے بٹن کے دبانے سے ہندسے اُس پر لکھ جاتے

ہین، بعینہ اسی طرح جب اس گھڑی سے وقت معلوم کرنا ہوتا ہے تو اسکا بٹن دبا دیا جاتا ہے اور وقت کا ہندسہ اُسپر چھپ جاتا ہے،

نباتات مین قوتِ فکریہ

سرجگدیش چندربوس کا نظریہ جس کا تذکرہ بارہا ان صفحات مین آچکا ہے، یہ ہے کہ نباتات مین بھی انسانون کی طرح حس وشعور کی قوت ہے، اور وہ بھی انسانون کی طرح رنج ومسرت کا احساس کرتے ہین، لیکن اب ایک امریکن پروفیسر نے اس قسم کا ایک دوسرا نظریہ پیش کیا ہے کہ انسانون کی طرح نباتات مین بھی غور وفکر کی قوت پائی جاتی ہے، اور اس نظریہ کو انھون نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے،

حقیقی ہیرا بنانا

ایک امریکن پروفیسر نے پہلے اُن طریقون کا مطالعہ کیا جن کے ذریعہ سے قدرتی ہیرے پیدا ہوتے ہین، پھر کیمیاوی طریقہ سے اُس نے قدرتی ہیرا بنایا، البتہ پروفیسر موصوف کا یہ طریقہ بہت کثیر المصارف ہے، اور اس کے لیے بہت زیادہ فشار اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن پروفیسر موصوف کے خیال مین آیندہ یہ مصارف کم کئے جاسکینگے اور اس طرح کثرت سے ہیرا بننے لگیگا،

ایک جدید زہر

روس کے بعض علمار نے ایک ایسے پودے کو دریافت کیا ہے، جس سے ایک زہریلا مادہ نکلتا ہے، اور وہ اُن کیڑون کو مار ڈالتا ہے جو پودون اور درختون کو نقصان پہنچاتے ہین، چند روز ہوے کہ امریکن علمار نے مصنوعی طریقہ پر اس قسم کا زہر ایجاد کیا تھا، لیکن روسیون کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بعینہ یہ مادہ ان کے ملک کے ایک پودے سے نکل سکتا ہے،

ایران کا ایک جدید تعلیمی فرمان

ایران کی وزارت تعلیم کی جانب سے ایک نیا فرمان جاری ہوا ہے، کہ ایرانی لڑکون کا داخلہ ان پرائمری اسکولون مین نہ کرایا جائے، جو ایران مین غیر ملکون کے ذریعہ چلتے ہین، اس فرمان کے رو سے نہ صرف نئے طلبہ کے داخلہ کی ممانعت کیگئی ہے، بلکہ ایسے طلبہ کو بھی ان اسکولون مین واپس جانے سے باز رکھا گیا ہے، جو ان اسکولون کی دوسری یا تیسری جماعتون مین تعلیم پاتے ہین اور اسوقت زیر رخصت مین اس فرمان کا نفاذ ۲ ستمبر سے ہوگیا ہے، اسی تاریخ کو وہان کے اسکولون کے سال کا آغاز ہوتا ہے، ایران مین غیر ملکی مدارس دو قسم کے ہین، کچھ ایسے ہین، جو عیسائیون کی تبلیغی انجمنون کے ماتحت جاری ہین، اور کچھ اشتراکی تحریک کے زیر اثر ہین، اسی فرمان مین ان اسکولون کو غیر ایرانی طلبہ کو داخل رکھکر تعلیم جاری رکھنے کی اجازت بھی دیگئی ہے، اس فرمان سے ایران کی موجودہ حکومت کی قومی وملی و وطنی بیداری کا پتہ چلتا ہے،

لاطینی زبان کی ترویج کی کوششین،

لاطینی زبان کے درس وتدریس مین اصلاحات معلوم کرنے کیلئے جو ایسوسی ایشن قائم ہے، اسکا سالانہ اجلاس ۲۹ اگست سے ۴ ستمبر تک مسٹر ایف، ار، ڈیل ہیڈ ماسٹر دی سٹی آف لندن اسکول کی نگرانی مین لیڈس ٹریننگ کالج مین منعقد ہوا، یہ اجلاس ایک قسم کا تعلیمگاہ بھی تھا، طلبہ کی ایک جماعت اسمین شریک تھی مختلف اساتذہ نے مختلف عنوانون پر مختلف خطبے دیئے، اور یہ تجویز قرار پائی کہ ایک جماعت ولی عہد کی یادگار اشیا کی تحقیق وتفتیش کیلئے تیار کیجائے، اس اجلاس مین طلبہ، چھوٹی چھوٹی ٹولیون مین اکٹھا ہو کر لاطینی پڑھتے رہے اور نیز یونانی زبان کا درس بھی دیا گیا، لاطینی اور یونانی زبان کے اشعار ترنم آمیز لحجون مین گائے گئے، ایک مجلس منعقد کیگئی جسمین لاطینی زبان مین بحث و مباحثہ کیا گیا، یہ اُن قومون کی اپنی مردہ زبانون کیلئے کوششین ہین، جنکی جدید زبانین سیکھ کر ہم اپنی قدیم زبانون کو بھولتے جاتے ہین،

"ر"

ادبیات

کلام احسان

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب احسان بی اے ایل ایل بی علیگ اعظم گڈھ،

ہجوم درد مین اور خندہ ہائے زیر لبی — یہ فیض غم ہے، یہ ہے لذت جفا طلبی

ہزار عشق ہو وارفتۂ جنون لیکن — حریم حسن مین جائز نہین ہے بے ادبی

بڑھا نہ ساغر رنگین کی سمت دست ہوس — کہ اہل بادہ کشی ہے یہ کیف تشنہ لبی

تلاش منزل و فکر وصال و شکوۂ ہجر — یہ سب ہین اے دل مضطر دلیل کم طلبی

فضائے عالم جان جس سے مشتعل ہے تمام — وہ برق نغمہ ہے میری نوائے زیر لبی

نظر فروز ہے ہر ذرہ مشہد غم کا — سرشت عشق ہے جانبازی و جفا طلبی

عطا کیا ہے مجھے غم نے اک گداز لطیف — نہ نالۂ سحری ہے نہ اشک نیم شبی

اٹھا نگاہ ذرا جوشش کیف مستی مین
ہزار جلوہ بکف ہے یہ غم کی تیرہ شبی

رباعیات اخگر

از

جناب امداد حسین صاحب اخگر مرادآبادی

توحید

سو رنگ کے ہین پھول چمن ایک ہی ہو
سو طرح کے اشجار ہین بن ایک ہی ہے
کثرت مین چھپی رہتی ہے وحدت اخگر
اعضا تو بہت سے ہین بدن ایک ہی ہے

زندگی

طے زندگی اسطرح سے کرتا ہون مین
جیتا ہون مگر جینے پہ مرتا ہون مین
دریا ہے مری زیست مسافر ہین ہون
ہر سانس کے پُل پر سے گذرتا ہون مین

مسلمان

نادان ہے جاہل ہے پریشان ہے تو
انسان نظر آتا ہوا حیوان ہے تو
تو جل نہ مرے سنکے تو کہدون اخگر
موجودہ زمانے کا مسلمان ہے تو

خوش خلقی

جب سامنے تیرے کوئی بدخو آئے
تجھ مین نہ ذرا فرق سرِ مو آئے
اخگر سے نہین عود سے خوش خلقی سیکھ
جو تجھ کو جلائے اسے خوشبو آئے

ہمدردی

دکھ درد مین جو کسی کا غمخوار نہ ہو
بے یار و مددگار کا جو یار نہ ہو
جنت تو ملے شوق سے اس کو اخگر
جنت مین خدا کا اُسے دیدار نہ ہو

باب التقریظ والانتقاد

تفصیل البیان فی مقاصد القرآن

تالیف مولوی سید ممتاز علی صاحب، چھ جلدین، پتہ: دارالاشاعت پنجاب لاہور

عام مسلمانون کو قرآن پاک کے معانی و مطالب کے سمجھنے مین ایک دقت اسلئے بھی پیش آتی ہے کہ ایک قسم کی آیتین اون کے سامنے یکجا نہین ہوتین، چنانچہ آجکل کے مجتہدین قرآن جو اکثر ٹھوکرین کھاتے ہین، اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ قرآن پاک کے الفاظ کی فہرست کو ہاتھ مین لے کر کسی معنی کے لئے اون کو جو لفظ معلوم ہوتا ہے، اوس لفظ کو اوس فہرست مین تلاش کرتے ہین وہ جہان جہان مل گیا، اوسکو دیکھکر اپنی تحقیقات کی کمزور عمارت کھڑی کرتے ہین، مثلاً نماز کے متعلق لون کو کچھ کہنا ہے تو نماز کے لئے عربی کے مشہور لفظ الصَّلٰوۃ کو اونھون نے فہرست مین ٹٹولا وہ جہان جہان ملا، اوسکو دیکھ کر اوس کے مسالے سے اپنی تحقیق کا گھروندا بنا ڈالا، اور دنیا کو اپنے اعلان و تحدی سے پرشور کردیا، حالانکہ قرآن مین نماز کے لئے الصلوٰۃ کیلئے کبھی ذکر آتا ہے، کبھی دعا آتا ہے، کبھی سجود آتا ہے، کبھی رکوع آتا ہے، کبھی صرف قیام ہی پر اکتفا کی جاتی ہے، پھر یہ الفاظ بھی حرف بدل بدل کر مختلف لفظی صورتون مین آیا کرتے ہین، اس لئے جب تک استقصار کرکے ان سب کو نہ دیکھ لیا جائے، اسلامی نماز پر محققانہ گفتگو نہین کی جاسکتی،

اس کا چارہ اگر ہے تو یہ ہے کہ قرآن پاک کے مطالب و معانی کی پوری اور مکمل فہرستین تیار کی جائین، ان چیزون کی طرف سب سے پہلے علمائے اہل حدیث نے توجہ فرمائی، اور اس شوق مین کہ اصل دین کو عوام کے ہاتھون تک

پہنچایا جائے، احادیث و قرآن کے تراجم کی طرف توجہ ہوئی، اس وقت مضامین قرآن کے سلسلہ مین ہمارے سامنے مولوی ابراہیم علی خانصاحب مرحوم زمیندار موا صعات مانا پار پھریا، پرگنہ اتروتی کا ایک رسالہ منتخب احکام القرآن ہی جو دوبارہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) مین لکھنؤ مین چھپا ہے، اسمین احکام قرآنی بترتیب فقہ جمع کئے گئے ہین، اس کے بعد اس سے بڑے پیمانہ پر اس جماعت کے مشہور بزرگ مولانا وحید الزمان صاحب حیدرآبادی نے جنھون نے حدیث کی اکثر کتابون کو اردو مین منتقل کیا ہے، تبویب القرآن کے نام سے سات سو صفحون مین قرآنی مضامین کو عقائد، فقہ، قصص اور متفرقات کے چار عنوانون مین فراہم کیا، اور انکا ترجمہ اور حاشیہ لکھا،

اسکے بعد اس کام کو سب سے زیادہ تکمیل کے ساتھ مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم نے اپنے ترجمۂ قرآن کے ضمن مین انجام دیا، اور شروع مین مضامین قرآن کی مفصل فہرست لگائی، مگر اونھون نے ایک جلی عنوان قائم کرکے اسکے نیچے آیت کا شروع اور آخر لکھ کر رکوع اور پارہ کا حوالہ دیدیا، اب سے چند سال پیشتر ۱۹۲۳ء مین مولوی محمد ظفر صاحب وکیل گوجرانوالہ نے روح القرآن کے نام سے اسی فہرست کو اس طرح ترتیب دیا، کہ اردو مین ہر عنوان کے نیچے اردو مین آیت کا ابتدائی ترجمہ لکھکر حوالہ تحریر کردیا،

اب اس سلسلہ کا آخری کارنامہ ہمارے کہنہ صاحب قلم مولوی سید ممتاز علی صاحب (بانی تہذیب النسوان) لاہور کا ہے، جو اس قسم کی فہرست کی ضرورت محسوس فرماکر سالہا سال سے اس کی ترتیب و تبویب مین مشغول تھے، اور اس پیرانہ سالی مین اس محنت کو گوارا کرکے گذشتہ سال اس فہرست کی چار جلدین اور امسال دو نئی جلدین مرتب کرکے شائع کین، اور انکا نام تفصیل البیان فی مقاصد القرآن رکھا، اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی عمر گرانمایہ کو اس مین صرف فرماکر بہت سے اہل علم اور اہل تحقیق کے اوقات گرامی کو تلاش و تفحص سے بچاکر بڑا ایثار کیا ہے،

اسوقت تک اس فہرست کی جو چھ جلدین شائع ہوئی ہین ان کے علحدہ علحدہ مضامین مع تعداد صفحات و قیمت حسب ذیل ہین،

۱- جلد اول کتاب العقائد، اس مین بترتیب وجود خدا و دلائل بر وجود، توحید و دلائل توحید و تنزیہ، و صفات و اسماء حسنی، و اوصاف حمیدہ، مشیت باری، اور تقدیر کی آیتین ہین، ۱۷۰ صفحے، قیمت:- تین روپے دس آنے،

۲- جلد دوم کتاب الاحکام اس مین ایمان، اسلام، دعوت و تبلیغ، اطاعت خدا و رسول، تقوی، تکذیب دین، شرک، کفر، ارتداد، عبادت، نماز، نماز اسلام، طہارت، نماز جنازہ، استعاذہ، استغفار، ذکر، توبہ، اعمال، مغفرت و فلاح، زکوۃ، صدقات، روزہ، لیلۃ القدر، حج، کعبہ، احکام مساجد، ہجرت، جہاد، نکاح، طلاق، خلع، عدت، رجعت، ایلا، لعان، ظہار، رضاع، معاشرۃ النساء، پردہ، وصیت، میراث، قرض و رہن، سود، کتمان حق، شہادت، قصاص و دیت، کبائر، قتل، زنا، حد و زنا، لوٹ مار، ڈکیتی کی سزا، چوری کی سزا، حد قذف، ناپ تول، شراب خواری، و قمار بازی کی ممانعت، امانت، خیانت، ظلم و فساد، امر معروف، و نہی منکر ۱۸۴ صفحے، قیمت چار روپے،

جلد سوم:- کتاب الرسالۃ اس مین یہ مضامین جمع ہوئے ہین، نزول قرآن، مقاصد نزول قرآن، اوصاف قرآن، دلائل بر صدق قرآن، مناظرات، مواعظ القرآن، زہد کی ترغیب، متفرق نصائح، خلقت و فطرت انسانی، قرآن کے متعلق کافرون کے اقوال، آداب تلاوت قرآن، تورات، انجیل، صفات رسل، دلائل بر رسالت محمدی، پیشینگوئیان، کفار کے اور اعتراضون کے جواب، آپ کے مشترکہ اوصاف، آپ کے مخصوص اوصاف، آپ کے اور آپکے ساتھیون کے ساتھ کافرون کی بدسلوکیان، تکلیف شرعی سے آزادی نہین، ازواج مطہرات، اصحاب قرآن کی قسمین، تمثیلات القرآن، قرآن کی دعائین، ۱۵۰ صفحے، قیمت تین روپے چھ آنے،

جلد چہارم کتاب المعاد کے مضامین دار آخرت کتابت اعمال، اعمال ضایع نہین جاتے، جزاے اعمال، موت، بعد الموت، حشر، قیامت، آثار قیامت، نفخ صور، حساب، میزان، شفاعت، فیصلہ، دوزخ، اہل دوزخ کی گفتگو، نیکی کا بدلہ، اعراف، جنت، اہل جنت، لذائذ جنت، شرف حضوری، ۱۹۲ صفحے، قیمت للعہ

جلد پنجم، کتاب الاخلاق مین اخلاقی مضامین کی تفصیل پورے استقصا کے ساتھ دی گئی ہے اور مؤلف کو اپنے استقصا پر بجا ناز ہے، ۲۹۶ صفحے، قیمت چھ روپئے،

جلد ششم، بدء الخلق مین آسمان و زمین و کائنات کی پیدائش کے حالات ہین، ۱۰۸۱ صفحے قیمت: ۶عہ

دو جلدین ابھی اور باقی ہین جن مین ظہور اسلام کے وقت عرب کے دیگر مذاہب کا حال اور سوال و جواب ہوگا،

مضامین قرآن کی یہ جامع فہرست اہل علم اور عام مسلمانون کے لئے یقیناً مفید ہوگی، مگر اہل اجتہاد کو ابھی سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ فہرستین اور اُن کے مضامین کی یہ ترتیب عنوانات گو ایک ممتاز شخص کے قلم سے نکلے ہین، تاہم وہ انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہین، اسلئے جو چیز اون کو ان مین نہ ملے اس کی نسبت یہ فیصلہ نہ کرین کہ قرآن اوس سے خالی ہے، اور جو چیز ان مین مذکور ہے، اوسکے متعلق یہ یقین نہ کرین کہ یہی قرآن کا بھی مقصود ہے، تفکر و تدبر اور استنباط و تحقیق کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، اور اسی سے دماغی و علمی مراتب کا پتہ چلتا رہے گا،

مؤلف نے ان فہرستون کے تیار کرنے مین گو بہت کچھ احتیاط برتی ہے، اور عنوان کے سوا صرف قرآن کی آیتون اور اون کے ترجمون کے سوا کچھ نہین لکھا ہے تاہم عنوان باب عنوان ضمیر کا پتہ دیتا ہے، ہماری خواہش تھی کہ مؤلف کا یہ کام اس نمایش سے بھی خالی ہوتا، تو اچھا ہوتا،

اس سلسلہ مین مؤلف کی خدمت مین چند معروضات گذارش کے قابل ہین،

۱- ترجمہ پر شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کو سامنے رکھکر کہین کہین نظر ثانی کی ضرورت ہے،

۲- جلدون کی ترتیب، نہ ترتیب طبعی پر ہے، نہ ترتیب منطقی پر،

۳- ہر جلد مین مضامین کی ترتیب بھی کہین کہین بگڑ گئی ہے،

۴- الفاظ و اعراب کی تصحیح کو ہم کیا کہین کہ ہر صاحب تصنیف اس جرم کا مرتکب ہے، تاہم حق ہے، کہ ہر بھائی ایک دوسرے کو ادھر توجہ دلائے،

ہمکو امید ہے کہ اہل علم اور قرآن پاک کے شائق ان جلدون کو منگوائین گے، اور مؤلف کو اس قابل بنائینگے کہ وہ بقیہ جلدین شایع کر سکے،

مآثر رحیمی ملا عبد الباقی نہاوندی

مرتبہ و مصححہ شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب کلکتہ

آج سے پورے ستائیس برس پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۶ء مین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتبخانہ سے عبد الرحیم خانخانان کے حالات و سوانح مین مُلا عبد الباقی نہاوندی کی تصنیف مآثر رحیمی کا پتہ لگایا تھا، اور نسخہ مذکور کو اپنے ساتھ لکھنؤ لائے تھے اور اوس پر ایک مفصل ریویو الندوہ (اپریل ۱۹۰۶ء) مین لکھ کر اسکو پبلک سے روشناس کرایا تھا، اس سلسلہ مین اونھون نے اپنے بعض اہل دولت و اہل علم دوستون کو اس کتاب کے چھپوانے کی طرف توجہ دلائی تھی،

بہرحال اونکی یہ تحریک رائگان نہ گئی، اور خود بنگال سوسائٹی کے کارکنون کو اس کتاب کی اشاعت کی فکر ہوئی، اور ہمارے کرمفرما شمس العلما، مولوی ہدایت حسین صاحب نے اسکی تصحیح کی خدمت اپنے ذمہ لی اور ۱۹۱۰ء مین اس کتاب کا پہلا حصہ چھپ کر شائع ہوا، اور پچھلے سال ۱۹۳۱ء مین وہ تمام و کمال اتمام کو پہنچی،

کل کتاب تین ضخیم جلدون مین ختم ہوئی ہے، پہلی جلد (۹۳۹) صفحون مین، دوسری جلد (۶۵۳) صفحون مین اور تیسری جلد (۱۶۹۹) صفحون مین تمام ہوئی ہے، ضخامت کے لحاظ سے بہتر ہوتا اگر تیسری جلد کو بھی دو جلدون مین منقسم کر دیا جاتا، ہر جلد مین گو مختصر فہرستین الگ الگ شامل ہین، مگر لائق مصحح نے وعدہ کیا ہے کہ آیندہ ان تینون جلدون کی مکمل فہرست ابجدی (اشاریہ) چوتھی جلد کی حیثیت سے شایع کرین گے،

کتاب کی پہلی جلد شروع سے اکبر تک کے ملوک و سلاطین کی عام تاریخ ہے، دوسری جلد مین سپہ سالار اعظم خانخانان کے حالات و سوانح ہین، اور سندھ و گجرات و دکن و خاندیس کے فتوحات اور صوبہ داریون کے تعلق

سے ان کی پچھلی سلطنتوں کے مختصر حالات ہین، اور تیسری جلد مین خانخانی مجلس کے ارکان علم و فن اور ارباب شعر و سخن کے احوال و تراجم ہین،

ہندوستان مین عموماً جو تاریخین لکھی گئی ہین، وہ ملوک و سلاطین کے فتوحات و حالات کی ہین، یہ خیال مین بھی نہ تھا کہ کسی امیر کی تاریخ اس بسط و تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہوگی، مگر اس کتاب نے اس خیال کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا، اور ایک ایسا منظر ہمارے سامنے پیش کر دیا جس سے ہندوستان کی تاریخی دنیا یکسر خالی تھی؛

اس اہم کتاب کی اشاعت درحقیقت بنگال سوسائٹی کا کارنامہ اور فاضل مصحح کی علمی خدمات مین سب سے بڑی خدمت ہے، امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہندوستان کی تاریخ مین اہم معلومات کا اضافہ ہوگا؛

قیمت مکمل عہ سکریٹری صاحب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نمبر ۱ پارک اسٹریٹ کلکتہ سے مراسلت کرنی چاہئے،

اس کا افسوس کے ساتھ تذکرہ کرنا پڑتا ہے کہ سوسائٹی سے کسی کتاب کو خریدنا بجائے خود ایک تکلیف دہ امر ہے؛ وہ خریدارون کو جواب دینے اور فرمایشون کی تعمیل کرنے مین حد درجہ بے پروا ہے، یہی سبب ہے کہ اس کی کتابین ہندوستان مین کم پھیلتی ہین، امید ہے کہ ادھر توجہ کی جائے گی،

"ص"

مکتبۃ المعارف بمبئی

شائقین علوم عربیہ کے فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کتب خانہ مین تمام مذاہب اسلامیہ کے متعلق دینی ادبی فلسفیانہ تاریخی اور سیر تراجم وغیرہ کی قدیم و جدید تصانیف فراہم کی گئی ہین، روایات و قصص و ادبیات کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے، قیمت بہت ہی مناسب ہے، ہر آرڈر کے ساتھ چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہئے، تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونی چاہئے،

سلیمان مرداد سنس،

بھنڈی بازار، محمد علی بلڈنگ بمبئی پوسٹ نمبر ۹

مطبوعات جدیدہ

اقبال نامۂ جہانگیری، معتمد خان بخشی جہانگیر، مصححہ مولوی محمد رفیع صاحب فاضل دیوبند، حجم ۳۲۷، بخط ٹائپ، قیمت عہ، ناشر رائے صاحب رام دیال اگروالہ، الہ آباد،

معتمد خان بخشی، کی اقبالنامہ جہانگیری، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی جانب سے ۱۸۶۵ء مین، کپتان ولیم ناسو لیس کے اہتمام سے شائع ہوئی تھی، اور جناب مولوی عبد الحئی و مولوی احمد علی صاحبان نے چند قلمی نسخون سے تصحیح و مقابلہ کر کے اُس نسخہ کو مرتب کیا تھا، اب اسی کا دوسرا اڈیشن رائے صاحب رام دیال اگروالہ نے شائع کیا ہے، اس کتاب کا پہلا اڈیشن اب کمیاب ہے، اس لیے بہرصورت یہ طبع ثانی سود مند ہے، حواشی پر جتنے اختلاف نسخ ہین، وہ تمام و کمال اسی پہلے اڈیشن سے منقول ہین،

غازیان ہند و تصحیح لتاریخ از جناب قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی، حجم ۱۶۷، صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت معمولی، قیمت ۱۲؍ مولف سے بتوسط مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاہ، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

ہندوستان مین ہندو مسلمانون کے اختلافات بڑھانے مین ہندؤن کے جدید فرقہ آریہ نے جسقدر حصہ لیا ہے، وہ ان اثرات سے بھی متجاوز ہوگیا ہے، جو اسکولون کی درسی کتابون سے نو عمر بچون مین پیدا ہوتے ہین، اس کی ضرورت ہے کہ ان جھوٹے پروپگنڈون کے جواب مین مناظرانہ طرز سے علحدہ ایسے محققانہ رسالے شائع کئے جائین، جو ان فرضی داستانون کا پردہ چاک کرین، نہایت خوشی کی بات ہے کہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی

نے اس ضرورت کا احساس کیا چنانچہ اس سلسلہ کے مختلف رسالے انھون نے لکھے ہین، جنہین سے بعض پہلے شایع ہو چکے ہین اور دو رسالے "غازیانِ ہند" اور "تصحیح التاریخ" اس وقت پیش نظر ہین،

غازیانِ ہند، مین مؤلف نے ہندوستان کے مسلمان حملہ آور سلاطین و سپہ سالار کے سوانح و حالات تلاش و تحقیق سے جمع کئے ہین، اوران حالات کی ترتیب مین خصوصیت سے یہ پیش نظر رکھا ہے کہ ان کے ماخذ قدیم ہندو اور دوسرے غیرمسلم مورخین اور دور حاضر کے ہندو اہل قلم ہون، رسالہ چند ابواب مین ترتیب دیا ہے، پہلے باب مین محمد بن قاسم، سبکتگین، محمود، شہاب الدین غوری، شاہجہان، عالمگیر، سیواجی، حیدر علی ٹیپو، اور دور حاضر کے مسلمان فرمانرواؤن مین حضور نظام کے حالات درج کئے ہین، اور پھر اسی باب مین دور حاضر مین مسلمانون کے ساتھ ہندوؤن کی روش کو دکھایا ہے، دوسرا باب سکھون کے بیان مین ہے، تیسرے باب مین اسلام اور مسلمان سلاطین کے متعلق مختلف قسم کی پھیلائی ہوئی بدگمانیون کو دور کیا ہے، اور اس ضمن مین جہاد، اشاعتِ اسلام کے طریقے، جزیہ، لوٹ مار، مال غنیمت، ڈولہ، غلامی، اور انہدامِ معابد وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، پھر چوتھے باب مین مختلف ہندو اہل قلم کے ایسے شائع شدہ مضامین جمع کئے ہین، جنہین مسلمان سلاطین اور اسلامی طرزِ حکومت پر آزادانہ طور پر صحیح تنقید کیگئی ہے،

تصحیح التاریخ مین اُسی پہلے رسالہ غازیانِ ہند کا پہلا باب "سلاطین" علحدہ سے کسی قدر حذف و اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، قاضی صاحب نے یہ ایک مفید خدمت انجام دی ہے، جن حلقون مین آریون کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیان پائی جاتی ہین، اوران مین ان رسائل کو زیادہ سے زیادہ تعداد مین شائع کرنا چاہیے، نیز دوسرے رسالہ تصحیح التاریخ کا مطالعہ اسکول کے طلبہ کے لیے سودمند ہوگا، افسوس ہے کہ ان رسالون کو حد سے زیادہ معمولی کاغذ پر شائع کیا گیا ہے، جس سے ظاہری شکل و صورت مین بدشیتی ٹپکتی ہے،

صدکان گہر، یعنی مجموعہ یک صد رباعیات حضرت عشرت گیاوی مرتبہ جناب سید حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا، حجم ۱۱۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت عہ، پتہ :- جناب سید اصغر علی، امام حسنین منزل گیا،

مولوی احمد علی صاحب عشرت، مرحوم گیا کے ایک پختہ مشق شاعر تھے، ۸۱ سال کی عمر مین ۱۳۳۹ھ مین انھون نے وفات پائی، صدکان گہر انھی کی سُو رباعیون کا ایک دلآویز مجموعہ ہے، جس کو اُن کے قدردان اور شاگرد جناب سید حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا، نے اہتمام سے شائع کیا ہے، ہر رباعی جلی قلم سے لکھی ہوئی صرف ایک صفحہ مین ہے، جو زرد ہے، اوراس کے اردگرد کا کاغذ سفید چھوڑ دیا گیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مرتب کے ایک مختصر تعارف سے ہوتی ہے، جس مین عشرت مرحوم کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شامل ہین، اس کے بعد رُباعیان شروع ہوتی ہین، جو عاشقانہ، صوفیانہ، اخلاقی، اور مذہبی ہر قسم کے مضامین پر مشتمل ہین، اور ہر رباعی کا الگ الگ عنوان اوپر لکھدیا گیا ہے، عشرت کی شاعری مین اردو شاعری کے دورِ متاخرین کے شعراء کے کلام کی جھلک نظر آتی ہے لیکن رباعیون کے مضامین بلند، اور الفاظ اور ترکیبین متین اور سنجیدہ ہین، جناب سید حسن امام صاحب نے انکی اشاعت سے شعرائے بہار کے دورِ متاخرین کی ایک کڑی سامنے کردی ہے، اس لیے وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہین،

آئینۂ معرفت از جناب سید اعجاز حسین اعجاز ایم اے لکچرر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، ناشر لالہ رام نراین لعل کٹرہ روڈ، الٰہ آباد،

اس کتاب کا اصلی مقصد یہ دکھانا ہے کہ اردو شاعری مین تصوف کا کس قدر حصہ موجود ہے لیکن اس سے پہلے مصنف نے تصوف کی مفصل تاریخ لکھی ہے جو اردو، فارسی اور عربی کتابون کے علاوہ انگریزی کتابون سے ماخوذ ہے، اسلام مین تصوف کا سب سے بڑا ماخذ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات کو قرار دیا ہے اور اس کے متعلق انکے خطبات سے بکثرت اقوال نقل کئے ہین، لیکن عام خیال یہ ہے کہ یہ خطبے زیادہ تر بے سند ہین، بہرحال اس تاریخ کو اگرچہ بہمہ وجوہ صحیح تو نہین مانا جا سکتا تاہم تصوف کی تاریخ کے متعلق اقوال و آراء کا بہت بڑا ذخیرہ انھون نے جمع کر دیا ہے، اس کے بعد فارسی زبان کی صوفیانہ شاعری کی تاریخ لکھی ہے، پھر اردو کی باری آئی ہے، اوراس کی ابتدا دکن کے اردو شعراء سے کی ہے اور اسکو ڈاکٹر سر اقبال کی ذات پر ختم کیا ہے، اور ہر دور کی صوفیانہ شاعری پر اجمالاً ریویو بھی کیا ہے، جابجا کبیر داس کے اشعار بھی نقل کئے ہین، اگرچہ ہمارے نزدیک یہ تاریخ بھی نا مکمل ہے، اور جابجا زہد، فقر و تصوف مین امتیاز نہین کیا گیا ہے

تاہم آیندہ لکھنے والون کیلئے اُنھون نے داغ بیل ڈالدی ہے، اور آیندہ اس عمارت کو اور زیادہ وسیع پیمانے پر تعمیر کیا جاسکتا ہے،

ثبوت ذکر جہر باحادیث وخبر مؤلفہ مولنا مشتاق احمد صاحب حنفی انبہٹوی، حجم ۳۰ صفحے، قیمت درج نہین، مجلس اشاعت العلوم،

اس رسالہ مین تصوف کے اصطلاحی حقیقی بآواز بلند ذکر کرنے کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے، ثبوت مین اولاً صحیحین کی وہ حدیث پیش کیگئی ہے جسمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ مجھے دل مین یاد کرتا ہے، مین اس کو دل مین یاد کرتا ہون، اور جو مجمع مین یاد کرتا ہے مین اس کو اس سے بہتر مجمع مین یاد کرتا ہون" اور دوسری حدیث ترمذی و مسند ابن حنبل کی ہے جسمین حلقہائے ذکر کو جنت کے باغون سے تشبیہ دیگئی ہے، لیکن معلوم نہین ان احادیث سے تصوف کے اصطلاحی ذکر کو مراد لینا کہانتک صحیح ہوسکتا ہے، مؤلف نے آخر مین تصریح کی ہے کہ اگر یہ ذکر ریا سے ہو تو بآواز بلند ذکر کرنا اچھا نہین،

القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان عند المنبر، مؤلفہ مولنا معین الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، حجم ۴۶ صفحے، قیمت درج نہین، مجلس اشاعۃ العلوم،

مولنا احمد رضا خانصاحب بریلوی نے اپنے کسی رسالہ مین نماز جمعہ مین خطبہ کی اذان کو منبر کے پاس دینے کو غیر مسنون اور ناجائز ثابت کیا تھا، مولنا معین الدین صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ مین اسی رسالہ کی تردید کی، اور عہد قدیم سے دور حاضر تک منبر کے سامنے کھڑے ہوکر اذان دینے کا جو طریقہ جاری ہے، اس کے استحسان کا نہ صرف تعامل و اجماع سے بلکہ کتب احادیث، و آثار و فتاوے فقہیہ سے ثبوت فراہم کیا ہے، اور اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین،

سخاوت الشرافت فی کشف اسرار الجہر والمخافتہ - از مولنا محمد سلامت اللہ صاحب حجم ۵۰ صفحے، قیمت ۱/، مجلس اشاعۃ العلوم،

اس رسالہ مین نماز پنجگانہ مین سے تین نمازون مین بآواز بلند قرأت کرنے اور دو نمازون مین آہستہ قرأت کرنے کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے، اور پھر اس جہر و سر کے رموز و اسرار کتب تصوف سے بتفصیل بیان کئے گئے ہین، رسالہ کی زبان قدیم وضع کی ہے۔

"ل"

جلد سی ام | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء | عدد ۶

مضامین